اختلافِ امت
اور
فرقہ بندی

مؤلف:

فضیلۃ الشیخ الدکتور عبدالقیوم مدنی بستوی حفظہ اللہ تعالیٰ

مرتب: شفیق عبدالرؤف ہرزک

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اختلافِ امت

اور

فرقہ بندی

مؤلف: فضیلۃ الشیخ الدکتور عبدالقیوم مدنی بستوی حفظہ اللہ تعالیٰ

مرتب: شفیق عبدالرؤف ہرزک

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

نام کتاب : اختلاف امت اور فرقہ بندی
مؤلف : فضیلۃ الشیخ الدکتور عبدالقیوم مدنی بستوی حفظہ اللہ
مرتب : شفیق عبدالرؤف ہرزک
طباعت : غزالی ٹائپ سیٹرس اینڈ پرنٹرس، ممبئی
تعداد : ۳۰۰۰ رہزار (باراول)
تاریخ اشاعت : جنوری ۲۰۲۰ء
ناشر : صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

ملنے کے پتہ

☆ دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی: 15-14، چونا والا کمپاؤنڈ، مقابل کرلا بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ)، ممبئی۔400070،ٹیلیفون: 022-56520077

☆ جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی: 225071 / 226526

☆ مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریۃ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈ ناکہ، کھیڈ، ضلع: رتنا گیری۔415709، فون: 02356-264455

☆ شعبہ دعوت وتبلیغ، جماعت المسلمین مہسلہ، ضلع رائے گڈھ، مہاراشٹر

☆ اقراء دی تردتھ، نیرول، نوی ممبئی

☆ یونیک ٹرسٹ (دارالسلام)، جے. ایل. نہرو روڈ، نزد گول بنگلہ، مروڈ جنجیرہ، ضلع رائے گڑھ

فہرستِ مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

اللہ تعالیٰ اجر عظیم سے نوازے اور علم میں برکت دے اس کتاب کے مولف کو جنھوں نے اختلاف امت کے موضوع پر مستند اور بیش بہا معلومات ہمیں دس دنوں پر مشتمل ایک سیمینار میں متعدد لیکچرس کی صورت میں فراہم کی۔

انھیں لیکچرس کو جو آڈیو، وڈیو رکارڈنگ اور تحریری نوٹس کی شکل میں جمع کیا گیا تھا کتابی شکل دی گئی جو آپ کہ ہاتھوں میں ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان سارے احباب کو جنھوں نے کوکن کے شہر مہسلہ میں اس سمینار کو منعقد کیا، اس کی خوبصورت رکارڈنگ کی، اسے اردو زبان میں کتابی شکل دینے میں مدد کی، اس کتاب کا اردو سے انگریزی میں ترجمہ کیا اور ان تمام احباب کو جنھوں نے اس کتاب کو چھپانے میں ہر طرح سے اپنا رول ادا کیا۔ چاہے اس کتب پر نظر ثانی کر کے یا کسی بھی طرح سے اپنا تعاون پیش کر کے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت کے لئے نفع بخش بنائے، اختلافات اور افتراق کی جڑوں کو سمجھنے میں یہ کتاب معاون ثابت ہو، امت میں اتحاد اور اتفاق کا ذریعہ اور آخرت کی کامیابی کا سبب بنے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف، مرتب اور مترجم کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے اور آخری دم تک کتاب وسنت اور منہج سلف پر چلنے کی سعادت سے نوازتا رہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ [البقرة: ١٢٧-١٢٨]

والسلام

شفیق عبدالرؤف ہرزک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان إلى يوم الدين ۔ أما بعد:

یہ گراں قدر علمی تحفہ جو ''اختلاف امت اور فرقہ بندی'' کے نام سے مطبوع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ درحقیقت ''فتنہ اختلاف امت کی حقیقت اور اسباب ونتائج'' پر مشتمل ہے۔ جسے کئی محاضرات میں جماعت کے معروف وممتاز اور مؤقر عالم دین ڈاکٹر عبدالقیوم محمد شفیع بستوی مدنی حفظہ اللہ وتولاہ نے خصوصی طلب پر مہسلہ کوکن میں پیش کیا تھا۔ اس موضوع پر ان قیمتی محاضرات کو گرامی قدر جناب شفیق عبدالرؤف صاحب ہرزک نے مرتب کیا ہے اور اشاعت کی سعادت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کو حاصل ہو رہی ہے۔

یہ مجموعہ محاضرات اپنے موضوع پر علوم نبوت کے طلبہ اور متلاشیانِ حق کے لئے ایک عظیم سرمایہ ہے، آج امت حق کو ضائع کر دینے والے اختلافات میں مبتلا اور شکار ہے، اور عموماً راہِ حق اور راہِ سلف کی کوئی پرواہ نہیں ہے، اس کی ساری تگ ودو دنیا اور دنیا کے مفادات کے لئے اتحاد کی ہے، اس لئے دین کے بنیادوں پر متحد کرنے کی یہ ایک دعوت ہے جسے عام کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دکتور محترم محاضر صاحب کے گہرے علم وتجربہ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق دے اور حق وہدایت پر ثابت قدم رکھے، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ کے زمرہ میں داخل ہونے سے محفوظ رکھے۔ اس علمی دستاویز کی اشاعت کے لئے تمام معاونین کی کوششوں کو رب العالمین قبول فرمائے۔

وصلى الله على نبينا محمد وبارك وسلم

عبدالسلام سلفی

(ممبئی)

۱۹ر دسمبر ۲۰۱۹ م

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تأثرات

فضیلۃ الدکتور عبدالقیوم محمد شفیع البستوی حفظہ اللہ تعالی علمی حلقے کی ایک معروف شخصیت ہیں۔ موصوف نے اختلافِ امت اور فرقہ بندی کے عنوان سے جامعہ محمدیہ مہسلہ (کوکن) میں ایک مفصل اور مدلل محاضرہ پیش فرمایا تھا جو مذکورہ موضوع کے بیشتر گروہوں کو واضح کرنے کے لیے بہت اہم ہے۔ چونکہ محاضرہ بہت ہی تفصیلی ہے جس سے علماء کرام اور طلاب علم استفادہ فرمائیں گے مگر عوام الناس کے استفادہ کے لیے برادر جناب شفیق عبدالرؤف ہرزک صاحب نے آڈیو ریکارڈنگ سے ایک تلخیصی نوٹ تیار کیا جسے وہ کتابچہ کی شکل میں شائع کر رہے ہیں۔

بلاشبہ یہ تلخیص واختصار ایک اہم اور مفید قدم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس تلخیص کو امت کے لیے نفع بخش بنائے اور منہج سلف سے ہٹ کر اختلاف وانتشار کا شکار ہونے والے بھائیوں کے راہ راست پر آنے کا ذریعہ بنائے۔

ظفرالحسن مدنی

شارجہ۔ متحدہ عرب امارات

۱۰/دسمبر ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تأثرات

زیر نظر کتاب ڈاکٹر عبدالقیوم بستوی حفظہ اللہ کے چند محاضرات کا خلاصہ ہے جسے جناب محمد شفیق عبدالروف ہرزک (مقیم حال: ابوظبی) نے بڑی عرق ریزی سے نہایت لطیف و نفیس اختصار کے ساتھ مزین کیا ہے۔

کتاب کا بنیادی موضوع اسلام کی طرف منسوب فرقوں، مسلکوں اور جماعتوں کا تعارف اوران کے اختلاف وافتراق کا شکار ہونے کی بنیادی وجوہات سے آگاہی ہے۔

چونکہ مذہب اسلام کی تعلیم روئے زمین کے تمام مسلمانوں میں وحدت کے اصول پر مبنی ہے اس لئے ہر ذی شعور انسان کو اس رزم حق کا متلاشی ہونا چاہئے کہ تہذیب وتمدن۔فلسفہ وحکمت۔علوم وفنون کی کثرت وفراوانی میں حق کو کیسے معلوم کیا جائے۔سنت سے قربت اوراہل کلام وفلسفہ کی جملہ طرازیوں سے کیسے دور رہا جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان خودشناسی، خودضبطی کے ساتھ معرفت الٰہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی کا خواہاں ہو۔

زیر نظر کتاب خال خال نظر سے گزری۔ چند بنیادی اسلامی مسالک ومشارب کا حسین مرقع ہے۔امید ہے اس کتاب کا مطالعہ متذبذب ومضطرب قلوب نفیسہ کے لئے مطالعہ تسکین کا ایک بہترین ذریعہ ہوگا۔اورسنت وحق کے متلاشی افراد کو روشنی بہم پہنچانے اور رہنمائی کے لئے ایک غمگسار رفیق ثابت ہوگا۔

اللہ رب العالمین اس کے مؤلف ومرتبین کو اجر جزیل سے نوازے۔آمین

کتبہ احقر

سفیان قاضی مدنی

مدینہ طیبہ

۱۸/دسمبر ۲۰۱۹ء

مقدمہ
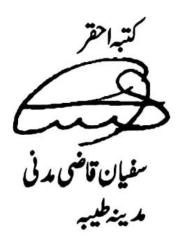
الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا و رسولنا محمد و على آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين اما بعد :

زیر نظر کتاب: ''فتنۂ اختلافِ امت'' کے اندر اختلاف کی حقیقت اور اس کے اسباب ونتائج اور اس سلسلے میں صحیح نقطۂ نظر کی کتاب وسنت اور فہم سلف کی روشنی میں مختصر وضاحت کی گئی ہے، ہمیں قوی امید ہے اس تحریر سے راہ حق کی پہچان آسان ہوگی اور اختلاف امت کے فتنے کو سمجھنے اور اس میں صحیح موقف اپنانے میں مدد ملے گی (ان شاءاللہ)

اصل موضوع سے قبل بعض اہم اصول وضوابط کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن کی تسلیم وتصدیق کے بنا دین فہمی کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی ہے، ان اصولوں کی تفصیل درج ذیل نقاط کے تحت بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ دین کا بنیادی مقصد لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اللہ کی عبادت اسی طرح کرنی ہے جس طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ دین اسلام اپنی تمام تر تعلیمات کے ساتھ احکام الٰہی ہے۔

۳۔ احکام الٰہی کا حقیقی ذریعہ وحی الٰہی ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک کا نام قرآن کریم ہے اور دوسرے کا نام سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

۴۔ کتاب وسنت حسب وعدہ الٰہی امت مسلمہ کے درمیان موجود اور محفوظ ہیں۔

۵۔ ہر شخص پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔

۶۔ عملی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

۷۔ صحابہ کرام کو دین فہمی کی راہ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ صحابہ کرام کی جماعت ہی

دینِ اسلام کی حقیقی نمائندہ جماعت ہے۔

۸۔ مجموعی طور پر امتِ مسلمہ امتِ معصومہ ہے، اس لئے ہر دور میں حق کی نمائندہ جماعت باقی رہی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

۹۔ انفرادی طور پر نبی کریم ﷺ کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔

۱۰۔ مقبول ائمہ دین میں سے کسی کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ انھوں نے جان بوجھ کر کتاب وسنت کی مخالفت کی ہے، بہت بڑی بے ادبی اور خطرناک غلطی ہے۔

۱۱۔ کسی بھی امام نے اپنے اجتہادات کو مرتب کر کے تقلید شخصی پر مبنی مخصوص مذہب تشکیل دینے کی وصیت نہیں کی ہے۔

۱۲۔ دین میں اصل اتحاد واتفاق ہے، اختلاف ایک عارضی اور ہنگامی چیز ہے جسے اصلا ہونا نہیں چاہئے اور اگر ہو جائے تو اسے طول نہیں دینا چاہیے۔

۱۳۔ اختلاف امت ایک ایسی حقیقت ہے جس کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔

۱۴۔ گذشتہ امتوں کے اختلاف اور اس امت کے اختلاف میں بنیادی فرق یہ ہے کے گذشتہ امتوں کے اختلاف میں حق ضائع ہو گیا۔ جبکہ اس امت کے اندر شدید ترین اختلافات پائے جانے کے باوجود حق محفوظ ہے اور محفوظ رہیگا۔

۱۵۔ اسلام میں کسی بھی عمل کے قبول ہونے کے لئے دو بنیادی شرطیں ہیں: اخلاص اور اتباع۔

۱۶۔ نواقض اعمال کی طرح نواقض ایمان بھی ہیں۔ یعنی، جس طرح نماز، روزہ، حج وغیرہ میں کچھ مخصوص کام انجام دینے سے یہ ارکان باطل ہو جاتے ہیں اسی طرح مخصوص اعمال انجام دینے سے ایمان بھی باطل ہو جاتا ہے۔

۱۷۔ فتنہ اختلاف سے بچنے کے لیے کتاب وسنت اور منہج سلف کو اپنانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

یہ وہ بنیادی اصول وضوابط ہیں جنھیں قبول کئے بغیر دین کا صحیح فہم حاصل نہیں ہوسکتا اور جنہیں اپنائے بغیر کوئی اسلامی دعوت حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرسکتی ہے۔

گزارش: اگر اس کتاب میں کسی بھی قاری کو کوئی علمی غلطی نظر آئے تو دلیل کے ساتھ کتاب کے اندر دئے گئے پتہ پر مؤلف کو اطلاع دینے کی زحمت کریں تاکہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

دیباچہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ [آل عمران:۱۰۵]

''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلائل آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہیں لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔''

ترمذی کی معروف حدیث میں بسندِ صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: یہود ۷۱ر فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ نصاریٰ ۷۲ر فرقوں میں اور میری امت ۷۳ر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ ان میں سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک (جماعت) کے۔ تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جنت میں جانے والی جماعت کونسی ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہوگی۔

آج امت میں اتنے سارے فرقے ہو گئے اور ہر ایک یہی سمجھتا ہے کہ وہ حق پہ ہے۔

جب تک ہم فرقوں کی تاریخ نہیں جانیں گے اور ہر ایک کے عقائد اور نظریات سے واقف نہیں ہونگے ہم اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے کہ کون لوگ حق پر ہیں اور کون حق سے دور ہیں۔

''اختلافِ امت اور فرقہ بندی'' اس سیریز میں ہم دین فہمی کے اصول جاننے کی کوشش کریں گے اور پھر اختلافات کے وجوہات اور ان کے علاج پر روشنی ڈالیں گے۔

ان شاء اللہ

عہد نامہ

دین کا علم ایک امانت ہے جسے لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری اہل علم پر ہے۔ ہم اللہ کا تقوی اختیار کرتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کسی کے بارے میں وہ بات منسوب کریں جو اس شخص میں یا اس جماعت میں موجود نہ ہو۔ اس لئے کے اللہ کے فرمان کے مطابق کان آنکھ اور دل کے بارے میں پوچھ تاچھ ہونے والی ہے۔ اور جھوٹ بہت بڑی خیانت ہے۔ اگر کسی جماعت کے خلاف ایسی بات منسوب کریں جو واقعتاً حقیقت کے خلاف ہو تو ہمیں کون سی زمین ہے جو پناہ دے گی اور کون سا آسمان ہے وہ سایہ دے گا۔

اللہ ہم سب کو حق بات کہنے سمجھنے اور لوگوں تک پہنچانے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

حصّہ اول

اختلاف کی نوعیت

سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کے اختلاف کسے کہتے ہیں۔ کیونکہ جس کے متعلق ہم معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے معانی و مفہوم کو جاننا ضروری ہے اور اس کا تصور و خاکہ بھی ذہن میں ہونا ضروری ہے۔

اختلاف عربی کا لفظ ہے۔ اس کا مطلب ہے ایک دوسرے کے مخالف ہونا۔ اور اس کا مخالف لفظ (opposite word) ہے اتفاق۔ یعنی یکسانیت اور اتحاد ہونا۔

اگر یہی اختلاف ایسا رنگ اختیار کر لے کہ جس سے ایک قسم کے افکار و خیالات والے اپنا الگ گروپ بنالیں تو اس کو افتراق کہتے ہیں۔ یعنی فرقہ بندی وجود میں آتی ہے۔

اسی بنا پر دینی اختلاف جو ہوتا ہے اور اس میں بھی جب ایمان اور عقیدے سے متعلق اختلاف ہوتا ہے تو اسے افتراق کہتے ہیں۔ اور عموماً اسی اختلاف کی بنیاد پر فرقہ بندی وجود میں

آتی ہے۔

اسی لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نصیحت کی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا [آل عمران: ۱۰۳]

یعنی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاموں۔ اور پھر فرمایا ''وَلَا تَفَرَّقُوْا''۔ یعنی اگر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہیں تھاموگے تو پھر فرقوں فرقوں میں تقسیم ہوجاوگے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللہِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللہُ لَكُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝۱۰۳ [۳:۱۰۳]

اللہ تعالی نے ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' کہا۔ یہاں ''وَلَا تَخْتَلِفُوْا'' نہیں کہا۔

مطلب ہے جو ایمان اور عقیدے کا اختلاف نہیں ہے وہ تفرقہ نہیں ہے۔ اسے اختلاف کہتے ہیں۔ یہ اجتہادی اختلاف ہے جو فقہاء کے اندر تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ کے اندر بھی اجتہادی اختلافات رہے۔ لیکن افتراق نہیں تھا، تفرق اور فرقہ بندی نہیں تھی۔ ساری امت ایک ہی امت تھی۔

ہمیں جاننا چاہئے کہ اگر علمی اختلاف ہے یا اجتہادی اختلاف ہے تو یہ مجتہد کا مذہب ہے۔ جیسے امام شافعی کا اختلاف امام ابوحنیفہ سے اور امام ابوحنیفہ کا امام شافعی سے وغیرہ۔ ہر صاحب خلاف اگر وہ مجتہد ہے تو وہ اس کا مذہب ہے۔ لیکن وہ مجتہد فرقہ نہیں بناتا۔ اس کا اجتہاد جدھر لے جاتا ہے اس کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے۔

اس لئے جو اصحاب خیالات ونظریات والے مخصوص افکار ونظریات کی بنیاد پر اگر مذہب تشکیل دیتے ہیں، بھلے وہ اس کا نام مذہب رکھیں لیکن اسلام کی نظر میں وہ فرقہ ہوتا ہے۔ ائمہ کرام کے جو مذاہب ہیں وہ فرقے نہیں ہیں۔ اور ان کے جو حقیقی متبعین ہیں ان کے مذاہب

کو بھی فرقہ نہیں کہا جاتا ہے۔

لیکن یہی اختلاف بڑھتے بڑھتے اگر ایمان اور اعتقاد کا اختلاف بن گیا تو یہ ایک الگ شکل اختیار کر گیا۔ اب لوگ چاہے اپنی نسبت جوڑ کے کسی امام کی طرف کیوں نہ کریں مگر وہ اسلام کی نظر میں فرقے میں چلا گیا۔ اب وہ امت کی وحدت کو ختم کرنے کے لیے اپنی ایک الگ شناخت بنا لیتا ہے۔ کس چیز میں؟ فقہ میں نہیں بلکہ ایمان اور عقیدہ میں۔ اور یہی فرقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾ [آل عمران:۱۰۵]

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے تفرقہ کرنے سے منع کیا اور اختلاف سے بھی منع کیا۔

یعنی قرآن وسنت کے واضح دلائل آنے کے بعد جو بھی تفرقہ کرے گا یا اختلاف کرے گا اس کے لئے بہت بڑے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

یہاں پر جس اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے اس میں اجتہادی اختلاف مستثنیٰ ہے۔ مگر وہ سارے اختلافات شامل ہیں جن سے شخصیت پرستی، حدیث معلوم ہونے کے بعد ہٹ دھرمی سے حدیث کو نہ ماننا وغیرہ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے واضح احکامات آجانے کے بعد انھیں یہ کہ کر پس پشت ڈالنا کے میرا مذہب تو یہ ہے یا میں تو فلاں کا مقلد ہوں، یہ سب حرام ہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ان باتوں سے اور اس قسم کی تقلید سے چاروں ائمہ نے بلکہ سارے ہی ائمہ نے ہمیں منع کیا ہے۔

اجتہادی اختلاف کے مستثنیٰ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں صحیح ہے تو اسے دوگنا ثواب ہے۔ اور اگر خطا کر جائے تو ایک ثواب ضرور ملے گا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ [الانفال:۴۶]

''نااتفاقی کروگے تو ناکام ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

حاصل کلام یہ ہے کے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اختلاف وافتراق سے اور آپس کی نااتفاقی سے سختی سے روکا ہے۔لیکن مسلمانوں نے ان سب میں پڑ کے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا۔

اختلاف کے اثرات اور نتائج

تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ جب تک اس امت میں اتحاد تھا، اختلاف کے باوجود بھی اتحاد تھا تفرق نہیں تھا اس وقت تک اس امت کی ایک شان تھی۔دنیا میں اس کی شان تھی اس کی آن بان تھی۔اور جب یہ ایمانی اور عملی دونوں اعتبار سے فتنے میں پڑ گئی تو اس فتنے نے اس کی آن بان شان سب ختم کردی۔

اور دوسری خطرناک بات یہ ہوئی کے اسلامی دعوت کی راہیں مشکل ہوگئیں۔مسدود بھی ہوگئیں اور مشکلات کا شکار ہوگئیں۔

کہا جاتا ہے کے ڈاکٹر امبیڈکر نے جب مولانا آزاد سے مسلمان ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو گاندھی جی درمیان میں آگئے اور انھوں نے اسی اختلاف کو ہتھیار کی طور پر امبیڈکر کے سامنے پیش کیا اور کہا تم کون سے مسلمان ہونے جارہے ہو؟ شیعہ ہونے جارہے ہو یا سنی؟ پھر سنیوں میں بھی اتنے فرقے ہیں۔کہا اگر ہندو رہنے کا ارادہ نہیں ہے تو بدھسٹ بن جاؤ.

آخر کار ڈاکٹر امبیڈکر بدھسٹ بنے یا نہیں بنے لیکن مسلمان تو نہیں ہوئے۔

دعوت کی راہ میں بڑی مشکل ہمارا آپس کا اختلاف ہے۔اس لئے اختلاف کے موضوع کو سمجھنا وقت کی اہم ضرورت ہے جو اس دور کا اہم موضوع ہے۔ہمیں اختلاف کی تہہ تک اتر کے اسے جاننا چاہئے۔

اس موضوع کو جاننے کا مقصد کیا ہے؟ اہم مقصد ہے کے ہم امت کے اس چہرے کو

جان لیں جو چہرہ اختلاف سے پہلے تھا۔ کیوں کے اختلاف ایک ایسی چیز ہے جو بعد میں آ گئی۔ تو اختلاف سے پہلے امت کی کیا شکل وصورت تھی؟ اسی شکل کو نمایاں کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اللہ ہمیں حق جاننے اور حق قبول کرنے کی توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرمایا:

''یہ تمہاری امتیں ایک ہی امت ہے اور میں سب کا رب ہوں اور تم میری ہی عبادت کرو'' (الانبیاء: ۹۲)۔

آج ہمیں اس حقیقت تک پہنچنا بہت ضروری ہے جو حقیقت لوگوں کے ذہنوں سے غائب ہے یا اس کے اوپر پردہ ڈال دیا گیا ہے کہ اگر تمام انبیاء کی امت ایک ہی امت ہے اور پھر بھی اختلافات ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ۷۳ رفرقوں میں تقسیم ہوگی، یعنی گذشتہ امت سے بڑھ کے اختلافات ہو گئے تو اس کا مطلب ہے اس امت کے ساتھ سازش کی گئی ہے حقیقت کو گم کرنے کی۔ جیسا کہ بتایا گیا کہ اگر اس امت کے ساتھ سازش نہیں کی گئی ہوتی تو ڈاکٹر امبیڈکر مسلمان ہوئے ہوتے۔ اس ملک پر انگریزوں کا تسلط ناممکن تھا اگر اس امت کو فرقوں میں تقسیم نہ کیا گیا ہوتا۔ اندلس اور پرتگال کی مسلم حکومتوں کے زوال کے پیچھے جو وجوہات ہیں وہ مسلمانوں کا آپسی اختلاف ہی ہے۔

اس امت کے ساتھ سازش یہ کی جاتی رہی ہے کہ اس امت کو اسی طرح تقسیم کئے رکھو تا کہ یہ ہمیشہ سے غیروں کی محتاج رہے۔

یہ امت جب فتنہ کا شکار ہوئی تو اس نے بھی پہلی امتوں کی تاریخ دہرائی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نوح کی آیت ۲۳ر میں نقشہ کھینچا ہے، نوح علیہ السلام جیسے نبی کی دعوت پہ ان کی قوم کہہ رہی ہے:

''ہرگز اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔''

یہ اس قوم کی مدہوشی اور بدحواسی ہی تھی کہ ایک نبی کی دعوت کو کس قدر ڈھٹائی کے ساتھ ٹھکرا کر کے اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہنے کے لئے لوگوں کو للکار رہی ہے۔

آج اس امت کے ان لوگوں کو جب توحید کی طرف بلاتے ہیں جو شرک اور قبر پرستی کی برائیوں میں آلودہ ہیں تو کیا قوم نوح ہی کی طرح جواب نہیں ملتا ہے؟؟؟
اس مضمون میں ہم غیروں کی انھیں سازشوں کا پردہ چاک کرینگے۔

اختلاف کی قسمیں

علماء اصول نے دینی اعتبار سے علمی اختلاف کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

اختلاف کی قسمیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اصول فقہ پہ لکھی گئی کتاب ''الرسالہ'' جو روئے زمین پہ اصول علم پہ لکھی گئی سب سے پہلی کتاب ہے۔اس کتاب میں ایک باب ہے''الاختلاف''۔اور اختلاف حقیقت میں اصول کا موضوع ہے۔ان سے سوال کیا گیا کہ اہلِ علم نے پہلے بھی اور بعد میں بھی اختلاف کیا ہے اور ہمیشہ اختلاف ہوتا رہا ہے۔تو کیا شریعت میں اختلاف کی گنجائش ہے؟

امام شافعی نے کہا اختلاف دو طریقوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ایک اختلاف وہ ہے جو حرام ہے۔

۲۔دوسرے قسم کا اختلاف وہ ہے جس میں، میں حرام کا فتویٰ نہیں دے سکتا۔

پوچھا گیا کہ حرام اختلاف ہی کے بارے میں بتائیں۔کیونکہ جب حرام اختلاف کے بارے میں پتہ چلے گا تو پھر اس اختلاف کے بارے میں خود بہ خود ہی پتہ چلے گا جو حرام نہیں ہے۔

فرمایا ہر وہ چیز جس کے اوپر اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت قائم کر دی ہے، اپنی کتاب میں یا اپنے نبی کے زبانی (یعنی حدیث میں) اور وہ بھی واضح نص کے ذریعے تو پھر اس میں اختلاف جائز نہیں ہے۔آگے اور ایک شرط لگائی کہ جو جانتا ہے یا جو علم رکھتا ہے اس کے لیے اختلاف جائز نہیں۔یعنی جو نہیں جان سکا وہ اختلاف کر سکتا ہے۔مگر یہ جہالت میں اختلاف ہوگا۔

واضح نص کیا ہیں انھیں مثال سے واضح کریں گے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ حرام اختلاف کیا ہے اور دوسرا وہ اختلاف جو حرام نہیں ہے یعنی

جائز اختلاف۔

الف۔حرام اختلاف:

واضح نص یا نص بین کے خلاف کیا گیا اختلاف۔

''واضح نص'' یا ''نص بین'' کسے کہتے ہیں؟ مثال کی طور پہ قرآن میں کفارات کی آیتیں ہیں۔مثلاً (سورۃ مائدۃ آیت۸۹) ۔ یہاں قسم کا کفارہ کیا ہے ۱۰ر مسکینوں کو کھانا کھلانا۔اب ۱۰ر کے ذریعے تحدید کی گئی ہے۔ ۱۰ر کا ۱۱ر نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ۱۰ر کا ۹ر ہوسکتا ہے۔اگر کوئی اس میں اختلاف کریگا تو وہ حرام ہوجائیگا۔کیونکہ یہ آیت قرآنی کے صریح خلاف ہے۔اس لئے یہ اختلاف واضح آیات کے اور نص بین کے خلاف ہوگا۔

ب۔جائز اختلاف:

وہ آیات قرآنی جن میں تاویل کی گنجائش ہے۔

جیسے سورۃ بقرۃ کی آیت ۲۸۸ر جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مطلقہ عورتیں عدت گذاریں تین قروء۔قروء سے یہاں مراد طہر ہو یا قروء سے مراد حیض ہو دونوں کا احتمال ہے۔ کیوں کہ عربی زبان میں یہ لفظ دونوں پر استعمال کیا گیا ہے۔

تو اگر کوئی آدمی کہتا ہے کہ یہاں پر مراد حیض ہے اور دوسرا آدمی کہتا ہے کہ طہر ہے۔تو امام شافعی کے قول کے مطابق دونوں ہی معنی کے احتمالات ہیں۔اس لئے اگر کوئی تاویل کر کے اسے حیض پر محمول کرے یا کوئی طہر پہ تو میں اس پر اس کا دائرہ خلاف تنگ نہیں کرونگا۔کہوں گا ٹھیک ہے اگر تمہارے اجتہاد میں یہی بات آتی ہے تو کہو۔میرے اجتہاد میں دوسری بات آتی ہے تو میں دوسری کہوں گا۔

یہ حرام نہیں ہے۔اسی طرح اور بھی مثالیں ہیں جو اسباب خلاف ہیں۔ یہ مثال صرف امام شافعی کی بات کی وضاحت کے لئے ذکر کی گئی ہے۔

اختلاف کی قسمیں۔امام ابن القیم کی نظر میں

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں قرآن کریم میں جہاں اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ اختلاف

دو قسم کا ہے۔

ابن القیم جو آٹھویں نویں صدی ہجری کے ہیں اور امام شافعی جو دوسری صدی ہجری کے ہیں۔ مگر جب منہج میں یکسانیت ہوتی ہے تو بات ایک ہی طرح نکلتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سلف صالحین کو جاننا چاہو تو صحابہ کرام سے لیکر آج تک جو بھی اس موضوع پہ کتابیں لکھی گئی ہیں انہیں دیکھ لو۔ ان سب میں مطابقت ہی پاؤ گے اور یہ نہیں اندازہ کر سکو گے کہ کس صدی میں لکھی گئیں ہیں۔ اگر منہج میں یکسانیت ہے تو تعبیر میں بھی یکسانیت ہوگی۔

بہر حال علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ فہم قرآن کے تعلق سے اختلاف دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ ایک اختلاف وہ ہے جس میں اختلاف کرنے والے سب کے سب مذموم ہیں، یعنی مذمت کے قابل ہیں یا برے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو بذریعہ تاویل اختلاف کرتے ہیں۔ یہاں تاویل سے مراد تاویل باطل ہے۔ یعنی حقیقت سے کسی آیت کو موڑ لینا۔

اور امام شافعی کے قول میں تاویل کا مطلب تھا تاویل حق۔ یعنی تاویل کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تاویل حق اور دوسرا تاویل باطل۔

انھوں نے آیت ذکر کی:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۱۵ [النساء:۱۱۵]

جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دینگے جدھر وہ خود متوجہ ہوا اور دوزخ میں ڈال دینگے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

علامہ ابن القیم نے اس آیت کو ذکر کیا اور فرمایا کہ اس آیت میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ جو اللہ کے حکم کے خلاف کرے ہدایت کے واضح ہونے کے بعد۔ اور ہدایت کس سے ملتی ہے؟

۱۔کتاب اللہ سے

۲۔سنت رسول سے۔

۳۔اجماع صحابہ اور اجماع امت سے۔

اس لئے جو شخص کوئی عمل قرآن وسنت کے خلاف کرے، اور مؤمنوں کا راستہ چھوڑ کر غیروں کا راستہ اختیار کرے۔یعنی اجماع امت کے خلاف راستہ اختیار کرے۔یعنی ان تینوں دلیلوں کو نظر انداز کرے اور اس کے بعد اپنی ایک الگ راہ اپنائے وہ بڑی دور کی گمراہی میں پڑ گیا۔ایسا اختلاف شدید طور پر حرام ہے۔اور ایسا اختلاف قابل مذمت ہے۔

اور اگر ایسا اختلاف ہے جو نہ قرآن کے خلاف ہے نہ حدیث کے خلاف ہے اور نہ اجماع امت کے خلاف ہے تو ایسے اختلاف کی گنجائش ہے۔اور ایسا اختلاف صحابہ کرام میں بھی رہا ہے۔

مشروع اختلاف اور غیر مشروع اختلاف

امام شافعی اور امام ابن قیم کے اقوال کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک اختلاف تو وہ ہے جو قابل مذمت نہیں ہے جس میں نہ نص قرآن سے کوئی صریح مخالفت ہے نہ حدیث سے اور نہ ہی اجماع امت سے ۔ایسا اختلاف جائز ہے کیونکہ اس طرح کے اختلافات کے علمی اسباب ہوتے ہیں۔

دوسرا اختلاف جو قابل مذمت ہے اور غیر مشروع ہے وہ اپنے اندر کوئی معقول شرعی جواز نہیں رکھتا۔اور اس کے بھی بہت سارے اسباب ہیں جس کا ذکر بعد میں کریں گے۔ویسے شریعت میں کسی بھی اختلاف کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے۔

غیر مشروع یا حرام اختلاف کرنے والے پر حکم

یہاں یہ بات خاص نوٹ کرنے کی اور یاد رکھنے کی ہے کہ نفس اختلاف کیسا بھی ہو۔حرام ہو، مذموم ہو، یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔اور اختلاف کرنے والے پر کیا حکم لگائیں گے یہ دوسرا مسئلہ ہے۔یعنی اس کو کافر کہیں گے، یا اس کو فاسق کہیں گے اس کو فاجر کہیں گے، یا اس کو

بدعتی کہیں گے۔ یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے۔اس کے بعد یہاں ایک تیسرا مسئلہ بھی ہے کہ مخالفت کرنے والے کے پیچھے جو لوگ ہیں، جو اس کی بات کو قبول کرتے ہیں یا انکار کرتے ہیں۔

تو یہاں پر اختلاف کے تعلق سے تین مسائل ہیں۔

۱۔نفس اختلاف

۲۔اختلاف کرنے والا

۳۔اختلاف کرنے والے کی بات کو ماننے والا یا نھیں ماننے والا.

تین مسائل ہیں۔تینوں میں گڈمڈ نہیں ہونا چاہئے۔

ہوسکتا ہے کہ وہ اختلاف شریعت کی نظر میں جائز نہ ہو، مذموم ہو، بلکہ شدید قسم کا حرام ہو۔لیکن اختلاف کرنے والا شریعت کی نظر میں قابل مذمت نہ ہو۔کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی مخالفت میں معذور ہو، اوراس کی نظر میں دلیل کی وضاحت اس طرح نہ ہوسکی ہو جیسی ہونی چاہئے۔

اس صورت میں بذات خود وہ اختلاف اس کے حق میں قابل مذمت نہیں ہے بلکہ ہو سکتا ہے صاحب اختلاف اللہ کے نزدیک اجر کا بھی مستحق ہو اگر اس نے علمی صلاحیت کے ساتھ نیک نیتی سے اجتہاد کر کے فتویٰ دیا اور وہ قرآن یا سنت کے خلاف ہو گیا بشرطیکہ نیک نیتی سے حق کو معلوم کرنے کی پوری جدوجہد کی ہو اور اس کے اندر علمی اور اجتہادی صلاحیت بھی رہی ہو۔

اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ اگر فلاں کا قول ایسا ہے تو فلاں بھی ایسا ہی ہوگا۔ایسا ضروری نہیں ہے۔

علماء کرام نے یہ قاعدہ رکھا ہے کہ ہر صاحب بدعت بدعتی نہیں ہے۔

ہر صاحب کفر کافر نہیں ہے۔

ہر صاحب شرک مشرک نہیں ہے۔

اگر قرآن وسنت میں اس عمل کو شرک کہا گیا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کا عمل شرک ہے اس کا عمل بدعت ہے اس کا عمل کفر ہے۔لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر صاحب بدعت بدعتی ہو

جائے یا کافر ہو جائے یا مشرک ہو جائے۔

کیونکہ اس پر اس قسم کا فتویٰ لگانے کے لئے یا اس وصف سے موصوف کرنے کے لئے کچھ شرائط ہیں۔

ضابطہ یہ ہے کہ پہلے اس کا علم ہونا چاہئے، یعنی جان بوجھ کر اس طرح کی بات کہہ رہا ہو اور جہالت یا سہواً نسیان اور اکراہ جیسی صورت حال نہ ہو دوسرے یہ کہ اس کے اوپر اس کی غلطی کے اثبات کے لئے مکمل علمی حجت و برہان قائم کر دیا گیا ہو۔

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام اگر ایک آدمی جہالت یا غفلت یا زور وزبردستی کے دباؤ میں آکر بدعت میں یا کفر وشرک میں پڑ گیا تو اسے بدعتی یا کافر ومشرک نہیں کہیں گے لیکن اس کے عمل کو وہی صفت دیں گے جس کا علمی اعتبار سے مستحق ہوگا۔

یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے جس کی باریکی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

صحابہ کرام میں سے بھی بہت سارے لوگوں نے ایسا کام کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں منع کیا لیکن یہ نہیں کہا کہ تو کافر ہو گیا۔

ایک صحابی نے کہہ دیا ''ماشاء اللہ و شئت'' یعنی جو اللہ چاہے اور تم چاہو وہ ہو جائیگا۔ اللہ کے نبی کی مشیت کو اللہ کی مشیت کے برابر کر دیا، تو رسول ﷺ نے کہا ''کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا''؟ یعنی تم نے بہت بڑی غلطی کی۔ ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ یہ قول تو شرک ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا تو مشرک ہو گیا۔

اسی طرح ایک غزوہ کے موقع پر بعض صحابہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ جس طرح کفار کے یہاں مخصوص درخت پر ہتھیار لٹکا کر فتح مندی کا فال لینے کا اعتقاد ہے اسی طرح ہمارے لئے بھی اس مقصد کے لئے کوئی درخت متعین کر دیجئے تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور ملامت کے انداز میں فرمایا کیا تم لوگ ویسا مطالبہ کر رہے ہو جیسا کہ موسیٰ کی قوم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کیا تھا جب ان لوگوں نے موسیٰ سے کہا تھا: ''موسیٰ تم ہمارے لئے اسی

طرح ایک معبود بنادو جس طرح مشرکوں کے پاس بہت سے معبود ہیں۔"

یعنی صحابہ کا یہ مطالبہ تو بلا شبہ کفر ہے لیکن وہ بذات خود اس مطالبے سے کافر نہیں ہوئے۔

کیونکہ یہ بات غفلت میں کہی گئی تھی یعنی اس کے اوپر کیا نتائج مرتب ہو سکتے ہیں اس کا علم وادراک انھیں نہیں ہو سکا تھا۔

اللہ تعالی نے قرآن میں کہا کہ اگر کوئی آدمی کفر بولنے پر مجبور کیا جائے لیکن دل میں ایمان کو چھپایا ہے تو اللہ کے نزدیک وہ قابل گرفت نہیں ہے۔ حالانکہ اس نے کفر تو کہہ دیا۔ لیکن دل کے ارادے سے نہیں کہا۔ اگر دل کے ارادے سے کہے گا تو کافر ہوگا۔

عذر شرعی تین ہیں۔

۱۔خطا یا سہواً کیا گیا عمل۔

۲۔لاعلمی کی بنیاد پر کیا گیا عمل۔

۳۔مجبوری سے کیا گیا عمل جس میں اس کے نیت کا دخل نہیں۔ یعنی بزور طاقت کروایا گیا عمل۔

مذموم اختلاف بسبب تقلید شخصی

اختلاف مذموم یا حرام اختلاف کی ایک صورت مذہبی تعصب اور تقلید شخصی کی بنیاد پر کیا گیا اختلاف۔

ایک زمانہ میں مذہبی تعصب اور تقلید شخصی کی بنیاد پر اختلاف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ خانۂ کعبہ جو مسلمانوں کا متحدہ قبلہ ہے۔ اس قبلہ کو بھی مذہبیت میں تقسیم کیا گیا۔ اور سب کے الگ الگ مصلے اور ہر مصلیٰ کا الگ امام بنایا گیا جو خاص مذہب کا پابند ہوتا کیونکہ سارے مذہب کے لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں تھے یعنی امت مسلمہ پر ایسا وقت بھی آ گیا جب ہر ایک مذہب کو ماننے والا یہ سمجھتا تھا کہ دوسرے مذہب کو ماننے والا باطل پر ہے، اس کی نماز باطل ہے۔ یہاں تک کہ اپنے مخالف کو اہلِ کتاب جیسا سمجھ لیا کہ ان کا ذبیحہ

کھا سکتے ہو، ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہو، لیکن خود اپنی بیٹی اس کو نہیں دے سکتے، ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے، ان کا جنازہ نہیں پڑھ سکتے۔ اس طرح بہت ساری باتیں لکھی ہوئی ہیں فقہ کی کتابوں میں۔ اس قدر اختلاف بڑھ گیا تھا۔ خانۂ کعبہ کے اردگرد چار مصلے تھے۔ ایک مصلیٰ مذہب شافعی کا ایک مصلیٰ مذہب ابوحنیفہ کا ایک مصلیٰ مذہب امام مالک کا اور ایک مصلیٰ مذہب امام احمد بن حنبل کا۔ چار اماموں کی نسبت سے چار مصلے تھے۔ چار اذان چار اقامت اور چار جماعتیں ہوتی تھیں۔

روئے زمین پہ اللہ کی عبادت کا سب سے پہلا گھر۔ اس گھر کو بانٹ دیا۔ کس چیز نے بانٹا؟ تقلید نے، تعصب نے۔ اس طرح کے تعصب پر مبنی تقلید شخصی شریعت کی نظر میں مذموم ہے اور پھر اس تقلید پر مبنی اختلاف مذموم تر ہے۔

اسی طرح ہر وہ اختلاف جو قرآن وسنت کے واضح نصوص کے خلاف کیا گیا ہو وہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔

مثال کی طور پر زنا کی حرمت، متعہ کی حرمت، سود کی حرمت، شراب کی حرمت جیسے سینکڑوں مسائل ہیں جن کی حرمت کتاب وسنت سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہے اور اس پر علماء امت کا اجماع بھی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص اجماع امت کی مخالفت میں زنا یا متعہ کو حلال کرتا ہے تو وہ قابل مذمت ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام کی عدالت اور ان کی ثقاہت یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرنے میں قابل اعتماد ہونا اجماع امت سے ثابت ہے۔ اس لئے اگر اجماع امت کی مخالفت کرتے ہوئے کوئی شخص ان پر لعن طعن کرتا ہے یا ان کی تجریح کرتا ہے تو یہ سب مذموم اختلاف کے دائرے میں آتا ہے۔

جائز اختلافات اور ان کے درجات

جیسا کے پہلے بتایا گیا کہ جو اختلاف بھی مذموم اور حرام قسم کے اختلافات کے دائرے میں نہیں آتا ہے وہ جائز ہے۔

لیکن پھر جائز اختلاف دو درجے کا ہے۔

۱۔ایک جائز اختلاف بغیر کراہت۔

۲۔دوسرا جائز اختلاف مگر کراہت کے ساتھ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے ''فتنے کے ڈر سے مستحب چیز کا چھوڑ دینا۔''

یعنی اگر کسی کام کا کرنا بہتر یا مستحب ہو لیکن اس سے فتنے کا ڈر ہو تو اسے نہیں کرنا ہی بہتر ہے بشرطیکہ وہ کام واجب نہ ہو صرف بہتر یعنی مستحب ہو۔

اور اگر جائز ہو تو مذکورہ صورت حال میں اسے بدرجہ اولیٰ چھوڑ دینا چاہئے۔

واجب اور حرام کا مسئلہ تو الگ ہے۔یعنی اگر اکراہ کی صورت حال نہ ہو تو واجب ہر حال میں کرنا ہے اور حرام ہر حال میں چھوڑنا ہے۔

لیکن جس کا کرنا افضل ہو اسے فتنے کے ڈر سے چھوڑ دینا چاہئے۔

اس کے بعد انھوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے مسئلہ سے اس کی مثال دی ہے:

خانہ کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا''عائشہ!اگر تیری قوم یعنی قریش مکہ کفر کے زمانے سے قریب نہ ہوتے تو میں اس وقت خانہ کعبہ کو گرا کر ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر اس کی نئی تعمیر کرا دیتا۔لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کریں گے اور کہیں گے اس نے تو باپ دادا کے آثار کو بھی مٹا دیا۔

یہاں پر یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت وسائل کی کمی کی وجہ سے اس وقت قریش مکہ اسے قواعد ابراہیم پر نہیں بنا سکے تھے۔پھر جب عبداللہ بن الزبیر کی حکومت مکہ مکرمہ پر تھی تو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کے مطابق قواعد ابراہیمی پر تعمیر کر دیا لیکن جب دوبارہ بنوامیہ کی حکومت قائم ہوئی تو اس کو پھر اسی شکل میں تعمیر کر دیا جیسے پہلے تھا اور جب عباسی حکومت قائم ہوئی تو اس نے فیصلہ کیا کہ اموی دور حکومت کی تعمیر کردہ عمارت کو گرا کر عبداللہ بن الزبیر کی تعمیری شکل کو بحال کر دے لیکن اس دور کے علماء کرام نے ایسا کرنے سے منع کر دیا چنانچہ آج تک خانہ کعبہ بنوامیہ کی تعمیری شکل میں اسی

بنیاد پر قائم ہے۔ اور جو جگہ چھوڑی گئی ہے اسے حطیم کہتے ہیں جس کے باہر سے طواف کیا جاتا ہے۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فتح الباری میں جو صحیح البخاری کی شرح ہے اسی حدیث کے تحت مختلف اصول وضوابط کو بیان کیا ہے جن کے تحت اگر مستحب چیز پر عمل کرنے سے امت مسلمہ کے اندر فتنے کا ڈر ہو تو اس کو اس وقت تک چھوڑا جا سکتا ہے جب تک وہ فتنہ باقی ہو۔

لیکن اسے منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جو حکم قرآن وسنت سے ثابت ہے کوئی منسوخ نہیں کر سکتا۔ مگر مصلحت کے تقاضے کے تحت کچھ وقت کے لئے ترک کر سکتے ہیں۔ اور جب فساد کا اندیشہ باقی نہ رہے تو اس پر عمل کیا جانا چاہئے۔

یہ ایک اصول اور ضابطہ بن گیا۔

جائز اختلاف۔اسباب واقسام

اب ہم اختلاف سے متعلق دوسرے باب کا آغاز کرنے جا رہے ہیں۔ جو اختلاف کی وجوہات سے متعلق ہے۔

سب سے پہلے ہم جائز اور مشروع اختلاف کے اسباب کا تذکرہ کریں گے۔ کیونکہ یہ محدود ہے اور اس میں زیادہ وسعت نہیں ہے اور چونکہ یہ ہمارا اہم مسئلہ ہے اس لئے اسے جاننا زیادہ ضروری ہے۔

اس کے برعکس جو مذموم اختلاف ہے اس کا تو کوئی سر پیر ہی نہیں ہے اور یہ لامحدود ہے۔ جس طرح اختلاف کا دائرہ متعین نہیں ہے اسی طرح اسباب اختلاف کا بھی دائرہ متعین نہیں ہے لیکن آگے ہم مذموم اختلاف کے بنیادی اسباب کا بھی ذکر کرینگے۔ ان شاءاللہ

سب سے پہلے مجتہدین کے فقہی اختلافات کے بنیادی اسباب کا ذکر کر رہے ہیں۔

بنیادی طور پر اس کے پانچ اسباب ہیں۔ انھیں پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو انگلیوں پر گننے کے لائق ہیں۔

۱۔شریعت کے نصوص یعنی کتاب وسنت کی عبارتوں کے اسلوب بیان میں احتمال کا پایا جانا۔

یعنی بعض نصوص کے اسلوب کے اندر مختلف معنی نکلتے ہوں یا نکالے جاسکتے ہوں۔ اس طرح فقہاء کے درمیان اس کے معنی سمجھنے میں اختلاف کا پایا جانا ایک طبیعی امر ہے، مگر یہ اجتہادی اختلاف ہے، عقیدہ اور ایمان کا اختلاف نہیں۔

۲۔شریعت کا بہت سے مسائل میں خاموشی اختیار کرنا

شریعت نے بہت سے مسائل میں خاموشی اختیار کی ہے۔تا کہ وارثین انبیاء یعنی علماء اور فقہاء کتاب وسنت کی طرف رجوع کر کے خود ہی اپنے اجتہادات سے ان کے احکام معلوم کرلیں۔اوران اجتہادی مسائل میں اختلاف کا ہونا فطری امر ہے۔

۳۔اصول اجتہاد کے بعض قواعد وضوابط میں اختلاف کا پایا جانا۔

یعنی جن اصولوں اور ضابطوں کی بنیاد پر اجتہاد کیا جاتا ہے ان میں بعض اصول اور ضابطے مختلف فیہ ہیں۔مثال کے طور پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل مدینہ کا عمل ایک معیار اور reference حوالہ رہا ہے۔یعنی اگر کسی مسئلہ میں اہل مدینہ کا کوئی عمل ہوتا تو وہ اجتہاد نہیں کرتے اور اسی کو بنیاد بنا کر فتوی دیتے تھے۔

لیکن دوسرے فقہاء کا خیال ہے کے یہ ضروری نہیں ہے کہ اہل مدینہ ہمیشہ اور ہر مسئلہ میں حق پر ہوں کیوں کہ اس وقت تک صحابہ عالم اسلام کے مختلف شہروں میں منتشر ہو چکے تھے۔امام مالک کے زمانے میں کوفہ میں بھی صحابی تھے، مکہ میں بھی تھے، بصرہ میں بھی تھے، مصر میں بھی تھے، شام میں بھی تھے اور یمن میں بھی تھے۔تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ صرف مدینے والوں کے عمل کو حجت مانیں اور مصر والے اگر کسی چیز پر عمل کریں تو اسے حجت نہ مانیں۔اس سے قطع نظر کہ امام مالک کا نقطہ نظر صحیح ہے یا نہیں مگر یہ اصولی اختلاف بھی فقہ میں اختلاف کا سبب ہے اور یہ جائز ہے۔

۴۔شریعت میں احکامات کا مختلف طریقوں پر مشروع ہونا۔

یعنی شریعت نے خود ہی کسی مسئلہ میں مختلف احکام نازل کئے ہوں اور سب کو جائز قرار دیا ہو۔مثال کی طور پر حج کا مسئلہ ہے۔حج تین طرح سے مشروع ہے

حج تمتع ، حج قرآن اور حج افراد، ہر ایک حج دوسرے سے مختلف ہے اور ہر ایک کے الگ الگ احکام ہیں۔اب امت کے جو علماء ہیں ان کے اندر اس بات پہ اختلاف ہے کہ کون سا حج زیادہ افضل ہے۔

مگر بعد میں آنے والوں نے اسے اور ہی رنگ دے دیا اور کسی ایک صورت کو اپنا تقلیدی مذہب بنالیا کہ ہمارے مذہب میں یہ افضل ہے۔

۵۔فقہا کی علمی صلاحیتوں اور قابلیتوں میں اختلاف۔

فقہائے امت اپنی علمی صلاحیتوں میں ایک جیسے نہیں تھے۔ بلکہ ان کی علمی قابلیتوں میں فرق تھا اور آج بھی ہے اور یہ فرق ہمیشہ رہے گا ہر ایک کی علمی صلاحیت الگ الگ تھی۔ حدیث کا جو علم امام احمد بن حنبل کو تھا چاروں آئمہ میں سے کسی کو بھی نہیں تھا۔جب علمی صلاحیت الگ الگ ہوگی تو اجتہاد میں بھی اختلاف ہونا ضروری ہے۔

اختلاف کا پہلا سبب

ا۔ قرآن وسنت کے اسلوب بیان میں احتمال کی وجہ سے اختلافات کی مثالیں:

شریعت کے جو نصوص ہیں یعنی کتاب وسنت کی جو عبارتیں ہیں انکے اسلوب بیان میں احتمال کی وضاحت درج ذیل ہے۔

مجموعی طور پر کتاب وسنت کے طرز بیان میں تین اسلوب نظر آتے ہیں۔

ا۔نص قطعی

یعنی ایسی عبارت جس کے معنی اتنے واضح ہوں کہ اس میں احتمال کا کوئی پہلو نہ ہو،

ب ۔ظاہر

جس کا مطلب یہ ہے کہ اس عبارت سے ایک معنی فوراً سمجھ میں آتا ہے مگر دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے، مگر اس احتمال کے لئے مزید دلیل چاہئے جب کہ پہلا معنی خود بخود سمجھا جاتا ہو

ج ۔مجمل

یعنی جس عبارت میں کئی معنوں کا مساوی احتمال ہو کسی معنی کو کوئی ترجیح نہ حاصل ہو۔ ہر ایک کی مثال آگے آرہی ہے۔

ا۔نص قطعی کی مثال:

نص قطعی قرآن میں عموماً وہاں ہیں جہاں کفارات اور حدود کا ذکر ہے یا وراثت کی مقدار کا ذکر ہے۔ وہاں پر مقدار متعین کر دیا گیا ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ یہ اللہ کے حدود ہیں ان سے تجاوز نہیں کرنا ہے۔

مثال کے طور پر قسم کی آیت۔ جس میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی قسم کھالے اور پھر اپنی قسم کو توڑ دے تو اس کا کفارہ ہے ۱۰ر مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا۔

تینوں امور اختیاری ہیں اور تینوں میں سے کچھ بھی نہیں کر سکتے تو پھر تین دنوں کا روزہ رکھنا ہے۔

دوسری مثال اگر رمضان میں کوئی اپنی بیوی سے خواہش پوری کرے اور روزہ توڑ لے تو اس کا کفارہ ہے ایک غلام کو آزاد کرنا اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنا اس کی استطاعت نہیں ہے تو ۶۰ر مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ اسی طرح سے ظہار کا بھی کفارہ ہے۔

تیسری مثال۔ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کو ۱۰۰ر کوڑے مارو اور اگر کوئی پاک دامن عورت پر تہمت لگائے اور گواہ پیش نہ کر سکے تو اسے ۸۰ر کوڑے کی سزا ہے۔

مقدار کے بیان میں یہ سب متعین امور ہیں۔ یہاں پر علماء نے اجتہاد نہیں کیا ہے اور

نہ ہی اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے

البتہ ان امور میں دوسرے اعتبار سے اجتہاد کی گنجائش ہے مثلاً قسم کے کفارے میں اگر روزے رکھنا ہے تو لگاتار رکھنا ہے یا بیچ میں چھوڑ سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

نص قطعی کے بارے میں ہم نے جان لیا کہ اس میں قرآن وحدیث کے جو احکامات ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔ امام شافعی کے قول کے مطابق جو کوئی اس میں اختلاف کریگا تو ایسا اختلاف حرام ہوگا۔

ب۔ نص ظاہر کی مثال

مثال کی طور پہ قرآن کی آیت ہے:

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ [الانعام:۱۴۱]

یعنی کھیت کے غلہ کی زکاۃ کھیت کا غلہ کاٹنے کے دن ادا کردو۔

غلہ کی زکاۃ کے اس حکم میں بظاہر کم سے کم کی کوئی مقدار نہیں ہے جسے نصاب زکاۃ کہا جاتا ہے بلکہ بظاہر ہر مقدار زکاۃ ہے، تھوڑی یا زیادہ

البتہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کا کوئی نصاب ہو یعنی کم سے کم کسی متعین مقدار میں غلہ ہو تو اس پر زکاۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں؟

چنانچہ حدیث میں اس کی وضاحت آئی فرمایا:

ليس فيما دون اوسق صدقة ۔

یعنی پانچ وسق سے کم کی مقدار میں زکاۃ نہیں ہے

ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع تقریبا ڈھائی کلو کا ہوتا ہے

جمہور علماء کرام اسی حدیث کی بنیاد پر آیت کے ظاہری مفہوم میں تاویل کرتے ہوئے غلے کی زکاۃ نصاب کے قائل ہیں، یعنی پانچ وسق سے کم کی مقدار میں کھیت کے غلہ جات میں وجوب زکاۃ کے قائل نہیں ہیں

جب کہ علمائے احناف ظاہر نص کی بنیاد پر نصاب کے قائل نہیں ہیں اور کھیتی سے

حاصل ہونے والی پیداوار میں بلا نصاب زکاۃ کے قائل ہیں خواہ پیداوار قلیل ہو یا کثیر، یہ اختلاف اسی احتمال کا نتیجہ ہے جو قرآن کے مذکورہ ظاہری عبارت میں پایا جاتا ہے حلانکہ جمہور کا مسلک راجح ہے۔

فقہاء نے جن آیتوں میں تاویل کی ہے ان میں سب کے پاس دلیل ہے۔لیکن یہ اور بات ہے کہ کسی کی نظر میں وہ دلیل کمزور ہو اور دوسرے کی نظر میں کمزور نہ ہو۔ یہ احتمال رہتا ہے تبھی جا کے اختلاف ہوتا ہے۔

معلوم ہوا تاویل کہتے ہیں کسی بھی ظاہری نص کو اس کے ظاہر سے ہٹا کر اس کے احتمالی معنی پر دلیل کے ساتھ محمول کرنا۔

اکثر علماء اور فقہاء کے درمیان جو فروعی اختلافات ہیں وہ انھیں وجوہات کی بنا پر ہے، نصوص کے اندر احتمال نے ان کو اجتہاد کی اجازت دی۔ بلکہ اجتہاد کا دروازہ کھولا اور جب اجتہاد کا دروازہ کھلا تو ہر ایک نے اپنی اپنی سمجھ بوجھ، اپنی اپنی صلاحیت اور قابلیت کی بنیاد پر اجتہاد کیا اور فتوی دیا۔

لیکن یہ کبھی نہیں کہا کہ میری تقلید کرنا۔

دوسری مثال: قرآن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾

[الاعراف: ۲۰۴]

اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سنو۔ چونکہ یہ حکم مطلق ہے اس لئے امام ابوحنیفہ نے اس آیت کے ظاہر کی بنا پر کہا کہ نماز میں جب امام قرآن پڑھے تو مقتدی اسے خاموشی سے سنیں اور کچھ نہ پڑھیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا قول آیت کے ظاہر سے استدلال کی بنا پہ تھا۔لیکن اس میں

احتمال ہے۔ کیونکہ حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کے سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے (بخاری و مسلم)۔ یہاں پر حدیث تخصیص کرتی ہے قرآن کے عموم کی اور نص قرآنی کی۔ امام ابو حنیفہ کا اجتہاد انھیں حدیث نہ ملنے کی وجہ سے تھا وہ اس اجتہاد کی وجہ سے اللہ کے نزدیک وہ اجر کے مستحق ہونگے۔

مگر ان کے مقلدین نے اسے اصول ہی بنا دیا۔ اور حدیث ملنے کے باوجود آج تک امام ابو حنیفہ کے فتوے پر قائم ہیں۔ یہ شخصی تقلید اختلاف کا بہت بڑا سبب ہے۔

اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ اپنے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جھوٹی روایت گھڑی اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا کہ "مجھے گوارا ہے کہ میرے منہ میں آگ کا انگارہ ڈال دیا جائے مگر مجھے یہ گوارا نہیں کے میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھوں۔"

نص ظاہر کی بہت ساری مثالیں ہیں۔ لیکن ہم ایک اور مثال دے کر موضوع کو آگے بڑھائیں گے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان:

"جس عورت کا شوہر انتقال کر جائے وہ چار مہینے اور دس دن عدت گزارے۔"

اس آیت کا ظاہر معنیٰ تو یہی ہے کے ہر وہ عورت جس کا شوہر انتقال کر جائے وہ چار مہینے اور دس دن عدت گزارے۔

قرآن میں دوسرا حکم ہے کہ:

"جو عورت حالت حمل میں ہو اس کی عدت وضع حمل ہے۔"

اب ایک صورت پیدا ہوتی ہے کہ جس عورت کا شوہر انتقال کر گیا اور وہ حمل سے ہے تو وہ کیا کرے؟ آیا وہ عورت چار مہینے اور دس دن عدت گزارے یا وضع حمل کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو جائیگی؟ یہاں پر دونوں احتمال ہے کیونکہ اس صورت حال میں اس خاتون کے اندر دونوں صفت پائی جاتی ہے۔

اس بارے میں اکثر علماء کا فتوی یہی ہے کہ ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہوگی۔ چاہے شوہر کے انتقال کے بعد دوسرے ہی دن وضع حمل ہوا ہو۔ جبکہ بعض علماء صحابہ کا قول ہے

کہ اس طرح کی عورت اس مدت سے عدت گزارے گی جو دونوں میں زیادہ لمبی ہو۔لیکن یہ قول راجح نہیں ہے۔واللہ اعلم

ت۔مجمل کی مثال:

جیسے "قرء" کا لفظ عربی زبان میں طہر اور حیض دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

مطلقہ کی عدت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ [البقرۃ:۲۲۸]

یعنی مطلقہ عورتیں اپنے آپکو [نکاح سے] تین قروء تک روکے رکھیں

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا مطلقہ کی عدت تین طہر ہے

جبکہ جمہور علماء کے نزدیک تین حیض ہے

اس اختلاف کی وجہ لفظ قرء میں اجمال کا پایا جانا ہے۔اجمال کی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں:

کبھی کلمہ کے اندر خود ایسا احتمال ہوتا ہے کہ ایک سے زائد معانی سمجھ میں آتے ہیں لیکن ترجیحات نہیں سمجھ میں آتی ہیں پھر ترجیحات کے لئے خارجی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کے کئی کئی معنی ذہن میں آتے ہیں اور کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

مثال کی طور پر:

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ [البقرۃ:۴۳]

نماز قائم کرو اور زکاۃ دو۔

اب کوئی آدمی صرف یہ سن کے نماز نہیں پڑھ سکتا ہے۔اور کوئی آدمی صرف یہ سن کے زکاۃ نہیں دے سکتا ہے

کتنا دے گا کب دے گا کیسے دے گا یہ سب اس کو سمجھ میں نہیں آئیگا۔

نماز کا تصور اس کو معلوم نہیں ہے۔ ایک رکوع کرے گا دو رکوع کرے گا کچھ پتا نہیں ہے۔ یہ مجمل ہے۔

مجمل کا حکم کیا ہے؟

مجمل کا اصولی طور پر حکم یہ ہے کے جب ایسا حکم آئے تو ٹھہر جاؤ اور ٹھہر کر اس کی تفصیل تلاش کرو قرآن کی دوسری آیتوں میں یا حدیث کے اندر۔ کیونکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی حکم دے اور اس کی وضاحت نہ کی جائے اور اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔

چند لمحوں کے لیے یا چند دنوں کے لیے جب تک عمل کا وقت نہ آئے اس وقت تک مجمل کی شکل میں چھوڑا جا سکتا ہے۔ مگر جب عمل کا وقت آ جائے تو ضروری ہے کہ اس کی تفصیل بتائی جائے۔

چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج سے واپسی پر نماز کا حکم لے کر آئے تو دوسرے دن صبح حضرت جبرائیل آگئے اور آپ کو پانچ وقت کی نمازیں پڑھائیں اوّل وقت میں۔ دوسرے دن پھر آئے اور آخری اوقات میں نمازیں پڑھائیں تفصیل کے ساتھ اور وضاحت کے ساتھ، کہ ہر نماز کی کیا کیفیت ہوگی کیا تعداد ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ جبرائیل نے دو دنوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نمازیں سکھائیں اور کہا نماز کا وقت انھیں دو اوقات کے درمیان ہے جو میں نے پڑھی ہے اول وقت میں اور آخری وقت میں۔ تو اقیمو الصلاۃ کی ساری تفصیل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت جبرئیل سے ملی اور امت کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملی۔ اسی لئے آپ نے فرمایا:

" صلوا کما رأیتمونی اصلی " (صحیح البخاری)
یعنی نماز ویسے ہی پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

اور حج کے متعلق فرمایا:

"خذواعنی منٰسککم" (صحیح المسلم)
یعنی حج کے طریقے مجھ سے لے لو۔ یعنی میں تمھیں عملی طور پر سکھا رہا ہوں وہ مجھ سے سیکھ لو۔

تو اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ جیسے مجمل نصوص کا بیان حدیث سے معلوم ہوا۔ کبھی کبھی قرآن کا بیان قرآن ہی سے ہوتا ہے، کبھی قرآن کا بیان حدیث کرتی ہے تو کبھی حدیث حدیث کو بیان کرتی ہے۔

جب روزوں کے بارے میں قرآن کی آیت اتری کہ تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سفید دھاگا کالے دھاگے سے نمایاں ہو جائے۔ تو کچھ صحابہ تکیہ کے نیچے دو دھاگے رکھتے تھے ایک سفید اور ایک کالا۔ جب وہ واضح ہونے لگتا تو سحری کھانا بند کر لیتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو کہا ''تمھارا تکیہ تو بہت لمبا ہوگا۔ اور فرمایا: اس سے مراد وہ دھاگا نہیں بلکہ اس سے مراد صبح کی سفیدی اور صبح کی سیاہی ہے۔''

ساری باتوں کا خلاصہ یہ ہے کے شریعت کا اسلوب بیان ایک جیسا نہیں ہے ایک ہی طریقہ یا ایک ہی معیار نہیں ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام نے ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک کا نام نص قطعی دوسرے کا نام ظاہر اور تیسرے کا نام مجمل ہے۔ اور جہاں پر احتمال ہے وہاں پر تاویل ہوتی ہے۔ اور جو مجمل ہے اس پر عمل کرنے سے پہلے اس کی تفصیل تلاش کی جاتی ہے۔ کیونکہ بغیر تفصیل تلاش کئے عمل کرنا ممکن نہیں ہے اور کرنا بھی نہیں چاہیے۔

اہل قرآن (منکرینِ حدیث) نے جب قرآن میں سورۃ بنی اسرائیل کی آیت پڑھی:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ [بنی اسرائیل: ۷۸]

تو کہا تین وقت کا ذکر ہے اس لئے تین ہی وقت کی نمازیں واجب ہیں یہ گمراہی حدیث کا انکار کرنے سے آئی۔ نماز کی ساری تفصیل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ملے گی۔ حدیث کو نظر انداز کرنے سے آدمی گمراہ ہو جائیگا۔ اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کے ''جو قرآن کو لے کر کہے کے مستقل قرآن ہی ہمارے لئے دلیل ہے تو ایسا شخص گمراہ ہو جائیگا۔'' کیونکہ صرف قرآن شریعت کے تمام احکام و مقاصد کو نہیں بیان کرتا ہے۔

اختلاف کا دوسرا سبب

۲۔ شریعت نے جن مسائل میں خاموشی اختیار کی ہے ان کی مثالیں:

صحیح المسلم کی حدیث میں آتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے بیان کیا کہ چھ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر ان کو انھیں سے تبادلہ کرنا ہے یعنی کھجور کو کھجور سے بیچنا ہے یا گیہوں کو گیہوں سے بیچنا ہے یا جَو کو جَو سے سونے کو سونے سے چاندی کو چاندی سے اور نمک کو نمک سے اس طرح سے چھ چیزوں کا ذکر کیا۔ تو اگر ایسا کرنا ہے تو اس میں کمی بیشی نہیں کر سکتے۔ ایک کلو لینا ہے تو ایک ہی کلو دو۔ اچھا ہے خراب ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ آپ دس روپیہ والے کھجور کو ۱۰۰ ؍ روپے والے کھجور سے تبادلہ کرتے ہیں تو ایک کلو دے کر ایک کلو ہی لے سکتے ہیں۔ ۱۰ ؍ روپے قیمت کا ۱۰ ؍ کلو کھجور دے کے ۱۰۰ ؍ روپے قیمت کا ۱ ؍ کلو کھجور نہیں لے سکتے۔ یہ سود ہو جائیگا۔

حدیث میں چھ ہی چیزیں ذکر ہیں. باقی دیگر اشیاء خوردنی میں شریعت خاموش ہے۔ مثلاً چاول، دال، جوار، باجرہ جیسی چیزوں کا کیا حکم ہوگا اس میں بھی سود ہوگا نہیں ہوگا یہ مسئلہ ہے۔

اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا قیاس ہی کے ذریعے ہم حکم ثابت کر سکتے ہیں؟ یا باقی چیزوں میں جیسے چاہیں ویسے تبادلہ کر سکتے ہیں؟

یہاں پر بنیادی طور پر دو نقطہ نظر ہیں۔ ایک نقطہ نظر ہے ''ظاہریہ'' کا جو قیاس کی حجیت کا انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں قیاس نہیں ہے شریعت میں۔ علامہ ابن حزم کا نام سنا ہوگا۔ یہ ظاہریہ کے امام ہیں اور ان کی کتاب ہے المحلی اور اصول احکام وغیرہ۔ انھوں نے بہت ہی شدت کے ساتھ قیاس کا انکار کیا ہے اور قیاس کو رد کیا ہے۔ اور کہا کے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ اس نے کہا تھا اللہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ عقل نہیں کہتی ہے کے آگ مٹی کے سامنے جھکے۔ اس لئے میں اس کا سجدہ نہیں کرونگا۔

تو کہا ابلیس نے قیاس سے اپنے آپ کو برتر ثابت کیا اس لئے قیاس شریعت میں غلط

ہے۔اور دوسری چیز، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شریعت جس چیز سے خاموش ہے وہ معافی ہے۔

ظاہر یہ سرے سے ہی قیاس کی حجیت کو نہیں مانتے۔ کہتے ہیں جب شریعت جس چیز سے خاموش ہے وہ ہمارے لئے معافی ہے۔

اور جمہور علماء قیاس کر کے شریعت جن چیزوں میں خاموش ہے اس کو حکم دیتے ہیں کے یہ حلال ہے یہ حرام ہے، یہ واجب ہے یا مستحب ہے وغیرہ۔

یعنی اگر واجب کے مثل کوئی چیز ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بھی واجب ہے۔

اور اگر حرام کے مثل ہے تو وہ بھی حرام ہو جاتی ہے۔

اس طرح جمہور علماء کرام کے نزدیک قیاس بھی استدلال کا ایک ذریعہ ہے اور قرآن اور حدیث میں اس کی دلیل ہے۔اس لئے قیاس کو بھی ماننا چاہیے۔بغیر قیاس کئے آدمی تناقض میں پڑ جائے گا۔انتہائی قسم کی غلط بات کو کبھی حلال کر دے گا کبھی حرام کر دے گا۔اس لئے قیاس کو ماننا ہی پڑے گا۔علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے کہا کہ قیاس وہ میزان ہے جس کے ذریعے حق و باطل کو پہچانا جاتا ہے۔

بشرطیکہ قیاس سلیم ہو۔یعنی آدمی کے پاس بصیرت ہے، قرآن وحدیث کے نصوص کا مکمل علم ہے وہی انسان صحیح قیاس کر سکتا ہے۔

ورنہ یہ حقیقت ہے کہ قیاس کے ذریعے بہت ساری حدیثوں کو چھوڑا بھی گیا ہے، بہت ساری حدیثوں میں شکوک وشبہات بھی پیدا کئے گئے۔اس لئے جمہور علماء کرام کہتے ہیں قیاس ایک ضرورت ہے لیکن اس کا درجہ چوتھے نمبر پر ہے۔قرآن۔سنت۔اجماع کے بعد قیاس کا درجہ آتا ہے۔

قیاس کو حجت ماننے کے لئے قرآن وسنت سے بہت ساری دلیلیں ہیں۔

۱۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں گزشتہ امت کی ہلاکت کا اور بربادی کا ذکر کیا ہے خاص کر بنو نظیر کا واقعہ سورۃ حشر میں، تو کہا ''فَاعْتَبِرُوْا يَاُولِي الْاَبْصَارِ ''یعنی اے اہل بصیرت تم اس سے عبرت حاصل کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حالت پر اپنی حالت کو قیاس کرو۔یعنی ان کی بدعملی اور

بدکرداری کی وجہ سے ان پر جو صورت حال پیش آئی ہے وہ تم پر بھی آسکتی ہے اگر انھیں جیسا عمل کروگے۔ گویا اشارہ ہے کہ ایک حکم کو دیکھو اور اس کے سبب وعلت پر غور کرو اگر وہی علت دوسری جگہ نظر آئے گی تو پھر یہی حکم ہوگا۔ شریعت ایک جیسی چیزوں کے درمیان تفریق نہیں کرتی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک خاتون آئیں اور کہا میرے باپ پر فریضہ حج عائد ہو چکا تھا، مالی استطاعت ہو چکی تھی، حج کر سکتے تھے لیکن نہیں کر سکے۔ تو کہا کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں؟ تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈائریکٹ نہیں کہا کہ ہاں کرو۔ پہلے کہا کہ یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے باپ کے اوپر قرض ہوتا تو کیا تم ان کا قرض ادا کرتی تو انھیں فائدہ نہیں پہنچتا؟ کہا ہاں۔ کہا یہ اللہ کا قرض ہے اس لئے اس کو بھی پورا کرنا بدرجہ اولیٰ تم پر واجب ہے۔ اس میں اللہ کے قرض کو انسانی قرض پر قیاس کیا گیا۔ گویا اشارہ تھا اس بات کی طرف کے اگر دوسرے مسائل میں بھی مماثلت نظر آئیگی تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو اس مثل کا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جن مسائل میں شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے ان کے بارے میں علماء کرام کے دو مختلف نقطہ نظر ہیں۔

۱۔ جب خاموشی ہے تو اس کو مت چھیڑو، اس کو حلال سمجھو۔ کیونکہ شریعت جان بوجھ کے خاموش ہوئی ہے، بھول کے خاموش نہیں ہوئی ہے، یہ نقطہ نظر ہے ظاہریہ کا، لیکن یہ نقطہ نظر ضعیف اور کمزور ہے۔

۲۔ جمہور علماء امت، صحابہ سے لے کر آج تک سبھی قیاس کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک کتاب وسنت میں ان مسائل کی نظیر تلاش کی جاتی ہے اور ملنے کی صورت میں بذریعہ قیاس حکم لگایا جاتا ہے۔

لیکن قیاس میں اس حد تک آگے بڑھ جانا کہ قیاس کی بنیاد پر حدیث چھوڑ دی جائے وہ صحیح نہیں ہے۔ اسی لئے امام احمد بن حنبل کا قول ہے کے قیاس تیمم کی طرح ہے۔ کتاب وسنت میں کسی کو مسئلہ ملتا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو پانی میسر ہو تو اس کو مٹی استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے قرآن وسنت سے اگر کوئی مسئلہ ملتا ہے تو اسے قیاس کی طرف نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھنا چاہیے۔

قیاس سے متعلق یہ واضح کیا گیا کہ اگر کسی مسئلہ کا حل قرآن میں حدیث میں یا اجماع صحابہ سے نہ معلوم ہو تو بذریعہ قیاس اس کا حکم معلوم کیا جانا چاہئے۔

اگر قیاس نہ ہو تو عجیب وغریب قسم کے تناقضات وجود میں آتے۔

ابن قیم نے لکھا ہے کے قیاس کے باب میں فقہاء کے اندر افراط وتفریط پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ قیاس کا سرے سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ ظاہریہ کا حال ہے۔ اور کچھ لوگ اس کو ہر جگہ استعمال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ قیاس کو عقیدہ کے باب میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے معتزلہ اور اشاعرہ اور دوسرے گمراہ فرقوں کا حال ہے۔ بلکہ اصل گمراہی تو یہیں سے آئی ہے جب خالق کو مخلوق پر اور مخلوق کو خالق پر قیاس کیا گیا اور پھر قیاس کا استعمال ضرورت سے زیادہ کیا جانے لگا تو وہ بھی گمراہی کا سبب بن گیا۔

قیاس سے متعلق صحیح موقف اس جماعت کا ہے جو قیاس کو افراط وتفریط سے بچتے ہوئے استعمال کرتی ہے۔ جیسے صحابہ کرام کیا کرتے تھے اس تعلق سے صحابۂ کرام کے قیاس کی ایک اور مثال دے کر اس موضوع کو یہیں ختم کر لیتے ہیں۔

میت کے دادا کے ساتھ میت کے بھائی کی وراثت کے مسئلہ میں صحابہ کے اندر اختلاف ہو گیا کے دادا کے ساتھ بھائی وارث ہوگا یا نہیں۔؟

ایک فریق کا خیال تھا کہ دادا کے ساتھ بھائی وارث نہیں ہوگا کیونکہ دادا باپ کی عدم موجودگی میں اسی کی جگہ پر وارث بنایا جاتا ہے اس لیئے باپ جس کو محروم کر رہا تھا دادا بھی اسے محروم کریگا۔ اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ باپ کی موجودگی میں بھائی وارث نہیں ہوتا ہے اس لئے قیاس کہتا ہے کہ دادا کے ساتھ بھی بھائی وارث نہیں ہوگا، یہ علماء صحابہ میں ایک فریق کا خیال ہے۔

دوسرے فریق کا خیال ہے کہ دادا کے ساتھ بھائی وارث ہوگا، اور اس فریق کے استدلال کا طریقہ الگ ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ میت کی طرف دونوں کی نسبت باپ ہی کے واسطے سے پہنچتی ہے چنانچہ دونوں کا میت سے جو رشتہ ہے وہ اسی واسطے سے جاتا ہے۔ تو ایک آدمی اسی واسطے سے جائے اور میراث پائے تو دوسرا آدمی بھی اسی واسطے سے جائے تو کیوں نہیں میراث پائے؟ ہمارا قیاس کہتا ہے کے بھائی بھی دادا کے ساتھ وارث

ہوگا۔

اس طرح کا اختلاف جائز اور عین ممکن ہے، اس لئے اس طرح کے اختلافات کی بنیاد پر کسی بھی مجتہد کے بارے میں غلط نقطہ نظر یا بدگمانی نہیں قائم کرنی چاہئے۔

البتہ اس طرح کے مسائل میں ترجیحات کا دروازہ کھلا ہے۔ بہت سارے لوگ یہی نہیں سمجھتے کے قیاسی واجتہادی مسائل میں ترجیحات ہوتی ہیں، یہاں حق وباطل یا ایمان وکفر کی معرکہ آرائی نہیں ہے بلکہ راجح ومرجوح کا مسئلہ ہے۔

۳۔ اختلاف کا تیسرا سبب

اصول فقہ میں اختلاف یا اجتہاد کے منہج میں اختلاف کا پایا جانا ہے۔

مثال کے طور پر عمل اہل مدینہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حجت ہے۔ جبکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے۔

یہاں پر تازہ پھلوں اور سبزیوں میں وجوب زکاۃ سے متعلق ایک فقہی مسئلہ ہے جس میں امام مالک رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ ان میں زکاۃ نہیں واجب ہے اور جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے اور ان کی دلیل عمل اہل مدینہ ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے اہل مدینہ پھل، اور سبزیاں اگاتے تھے مگر اس پر زکاۃ نہیں دیتے تھے۔

لیکن امام ابوحنیفہ اور بعض فقہاء کے نزدیک ان میں زکاۃ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہا ہے ''وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ'' یعنی اس (غلہ) کا حق اس کو کاٹنے کے دن ادا کرو یعنی اپنے کھیت سے جو بھی کاٹ کے لائے ہو۔ اس کی زکاۃ اسی دن ادا کرو کہتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالی نے کھیت کی پیداوار میں زکاۃ نکالنے کا حکم دیا ہے پیداوار کچھ بھی ہو۔

دوسری مثال:

مرسل حدیث۔ جس کا مطلب وہ حدیث جس کی سند منقطع یا کٹی ہوئی ہو۔ یعنی اگر تابعی کہے کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ تو یہ حدیث مرسل ہوگی۔ کیونکہ تابعی کی ملاقات

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ہے۔ یہاں پر دو اصطلاح ہیں۔ ایک فقہاء کی دوسری محدثین کی۔
محدثین مرسل اسی کو کہتے ہیں، یعنی اگر تابعی کہے کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
اور فقہاء کے نزدیک سند میں اگر کہیں سے بھی کوئی انقطاع ہو تو وہ حدیث مرسل ہوتی ہے۔

مثلاً تابعی کہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اگر ارسال کرنے والا وہ خود ثقہ نہیں ہے تو ایسی حدیث سب کے نزدیک ضعیف کے درجے میں ہے۔

لیکن اگر تابعی خود قابل اعتبار انسان ہے، ثقہ ہے، عادل ہے، یعنی اس کے اندر حدیث کی قبولیت کے سارے شرائط پائے جاتے ہیں۔ لیکن آگے صحابی کی کڑی غائب ہے تو اس کی وجہ سے کیا اس کی حدیث ضعیف ہوگی کہ نہیں ہوگی اسی میں اختلاف ہے۔

اس صورت حال میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کڑی کو غائب کرنے والا اگر قابل اعتبار ہے تو اس کی روایت صحیح ہوگی۔

دوسرا نقطہ نظر ہے کہ وہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ سند سے جو راوی محذوف ہے اس کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف؟

یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کو وہ قابل اعتبار سمجھتا ہو وہ ضرور قابل اعتبار ہی ہو۔ اسے نام لینا ضروری ہے تا کہ ہر ایک اس کو جان لے۔ چونکہ اس میں شبہ قائم ہے اس لئے ایسی حدیث ضعیف کے درجے میں ہے اور یہ قول اکثر محدثین کا ہے۔

تیسری مثال: ''مصالح مرسلۃ''

یعنی مصالح مرسلہ کی حجیت میں اختلاف کی بنیاد پر علماء کرام کے درمیان متعدد مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مصلحت کا معنی؟

شریعت میں مصلحت کے معنی ہوتے ہیں ''جلب منفعت اور دفع مفسدہ''

یعنی نفع کو حاصل کرنا اور نقصان کو دور کرنا اور انسان کی مصلحت یہ ہے کہ نفع والی چیز اس

کے پاس رہے اور نقصان والی چیز اس کے قریب نہ آئے۔
شریعت کے تمام احکام میں یہی مصلحت پوشیدہ ہے چاہے کوئی اسے سمجھ پائے یا نہ سمجھ پائے۔
شریعت کے جملہ احکام پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مصلحتیں پانچ قسم کی ہیں جن کو کلیات خمسہ کہا جاتا ہے۔ اگر احکام شریعت نافذ کی جائے تو انسان کی آنے والی پانچ مصلحتیں متحقق ہوتی ہیں۔

۱۔ تحفظ دین کی مصلحت۔
۲۔ تحفظ جان کی مصلحت۔
۳۔ تحفظ مال کی مصلحت۔
۴۔ عقل کے تحفظ کی مصلحت۔
۵۔ عزت وآبرو کے تحفظ کی مصلحت۔

ان ہی ساری مصلحتوں کے تحفظ کے لئے احکامات نازل کئے گئے ہیں۔
جیسے دین کے تحفظ کے لئے مرتد کی سزا قتل ہے۔
جان کے تحفظ کے لئے جان کے بدلے جان یعنی قصاص کی سزا ہے۔
مال کے تحفظ کے لئے چوری کی سزا ہاتھ کا کاٹنا ہے۔
اور عقل کے تحفظ کے لیے شراب حرام ہے اور اس کے لئے تعزیرات مقرر ہیں۔
عزت وآبرو کے تحفظ کے لئے زانی کے لئے سزائیں مقرر ہیں۔
پھر یہ پانچوں مصلحتیں اپنی اہمیت کے اعتبار سے تین اقسام کی ہیں۔

۱۔ مصلحہ ضروریہ یعنی ضروری مصلحت
۲۔ مصلحہ حاجیہ یعنی حاجت کی مصلحت
۳۔ مصلحہ تحسینیہ یعنی کمالیات کی مصلحت

اردو میں ضرورت اور حاجت ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔
مگر عربی میں ان میں فرق ہے۔

مصلحہ ضروریہ کا مطلب ہے کہ جس کے بغیر انسانی زندگی گذارنا ممکن نہ ہو اور اس مصلحت کے حصول کے بنا زندگی اجیرن ہو جائے۔ مثلا اگر قاتل کو سزا نہ ہو یا چور کو سزا نہ ہو، یا حلال وحرام کی تمیز نہ ہو تو انسانی زندگی اجیرن ہو جائیگی اور انسانی زندگی حیوانی زندگی کی طرح بے لگام ہو جائیگی۔

اور حاجت کی مصلحت نہ ہونے کی صورت میں زندگی اجیرن یا تباہ تو نہیں ہو گی مگر مشکل میں ضرور پڑ جائے گی، اسی مشکل کو دور کرنے کے لئے کچھ خاص احکام ہیں مثلا انسان سفر میں ہے، یا مریض ہے، یا عورت حالت حیض ونفاس میں ہے تو ان میں سے بعض حالات میں کچھ تکالیف شریعت مکمل طور پر اٹھالی گئیں ہیں۔ اور کچھ میں تخفیف کردی گئی ہیں تاکہ احکام بہت بڑی مشقت کا سبب نہ بن جائیں بہر حال اسے حاجت کی مصلحت کہتے ہیں۔

مصلحہ تحسینیہ کی وضاحت:

مثال کے طور پر کوئی نماز پڑھنے کے لیے جائے تو اسے اپنی ستر پوشی کر کے جانا ضرورت کی مصلحت ہے اچھے اور خوبصورت لباس میں آئے یہ حاجت کی مصلحت ہے اور اس سے زیادہ بن سنور کے آجائے ٹوپی بھی لگا یا خوشبو لگائی اور مسواک بھی کر کے آئے تو یہ مصلحہ تحسینیہ یا کمالیات کی مصلحتیں ہیں۔

مصلحتوں کے تعلق سے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ شرعی احکامات میں کچھ کا تعلق ضروریات زندگی سے ہے، کچھ کا تعلق حاجات زندگی سے ہے اور کچھ کا تعلق کمالاتِ زندگی سے ہے۔

شریعت میں مصلحتوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کی حیثیت سے ان کی تین اقسام ہیں:

۱۔ مصالح معتبرہ

۲۔ مصالح غیر معتبرہ

۳۔ مصالح مرسلہ یعنی ایسی مصلحتیں جن کا متعین طور پر معتبر یا غیر معتبر ہونا معلوم نہ ہو

یعنی شریعت ان کے بارے میں خاموش ہو، ایسی مصلحتوں کو مصالح مرسلہ کہتے ہیں۔

جو معتبر مسئلے ہیں ان کے بارے میں تو کچھ کلام ہی نہیں وہ معتبر ہے اگر ایک آدمی نے جان بوجھ کر کسی کو قتل کیا ہو تو مصلحت کا تقاضا ہے کہ دوسروں کو اس کے جرم سے تحفظ عطا کرنے کے لئے اس کو قتل کیا جائے تو قتل کیا جائیگا۔

لیکن اس کے گھر والوں کی مصلحت ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے تا کہ اس کے بال بچوں کی کفالت ہو جائے گی۔ یہ ان کی مصلحت ہے لیکن شریعت اس کو غیر معتبر سمجھتی ہے اِلّا یہ کہ وہ لوگ دیت لے کر اپنے حق سے تنازل کر لیں تو ایسا کر سکتے ہیں اس صورت میں دونوں کی مصلحت ہوتی ہے۔

غیر معتبر مصلحت کی ایک مثال:

شریعت نے کہا ہے جو آدمی رمضان کے مہینے میں اپنی بیوی کے پاس جا کے اپنا روزہ توڑ دے اس کے اوپر ایک غلام آزاد کرنا ہے، نہیں کر سکتا ہے تو دو مہینے کے روزے رکھنے ہیں اور یہ بھی نہیں کر سکتا ہے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اسی ترتیب سے کفارات کا حکم ہے۔

اب اگر کوئی مفتی کہے کہ اگر کوئی غریب ہے تو ساٹھ روزے رکھے اور امیر ہے تو وہ صدقہ کرے یا غلام آزاد کرے

یا مصلحت دیکھ کے اس کا الٹا کہے کہ یہ تو امیر آدمی ہے اس کے لئے غلام آزاد کرنا یا مسکین کو کھانا کھلانا تو آسان ہے اس لئے اس کا کفارہ متعین طور پر دو مہینے کا روزہ رکھنا ہے۔

تو اس طرح کی مصلحت کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ شریعت نے اس مسئلہ میں امیر و غریب میں فرق نہیں کیا ہے بلکہ استطاعت اور عدم استطاعت کا اعتبار کیا ہے۔ اس لئے کسی ایک کو متعین کرنا یہ شریعت کی نظر میں غیر معتبر ہے اور اس طرح کی مصلحت کے تحت شریعت کے حکم میں تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے۔

کچھ مصلحتیں ایسی ہیں کہ متعین طور پر شرعاً جن کا معتبر ہونا یا غیر معتبر ہونا معلوم نہیں ہے۔ مثلاً ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آیا۔ یمن کی راجدھانی صنعاء میں کسی شخص کو پانچ یا سات آدمیوں نے مل کے قتل کیا۔

اب بدلے میں کسے قتل کیا جائے؟ یہ مسئلہ درپیش آیا اور شریعت کا حکم ہے ایک جان کے قتل کے بدلے میں ایک جان قتل کیا جائے۔

اسلامی حکومت میں پہلی مرتبہ اس قسم کا واقعہ پیش آیا۔ یہ مسئلہ جب پیش ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا سب کو قتل کیا جائے۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر سارے صنعاء والے اس قتل میں شریک ہوتے تو سب کو قتل کر دیتے۔

شریعت تو خاموش ہے مگر مصلحت کا تقاضا ہے کہ اس جرم کو روکا جائے اور اس جرم کو روکنے کے لیے دوسرا کوئی حل نہیں ہے سوائے اس کے کہ سب کو قتل کریں اس سے جو مصلحت مقصود ہے اسے مصلحت مرسلہ کہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ مصلحت مرسلہ پر مبنی تھا، اور اکثر فقہاء کی رائے یہی ہے کیونکہ اگر ہم ان مافیا (mafia) گروپ سے قصاص نہیں لینگے تو کبھی بھی جب کوئی جرم کرنا ہوگا تو سب مل کر کریں گے۔

اس لئے مصلحت کا تقاضا ہے کہ اس جرم کو روکنے کے لئے ان سب کو قتل کیا جائے لیکن کچھ علماء اس کے مخالف بھی ہیں، کیونکہ ان کی نظر میں اس میں مساوات نہیں ہے۔ اور قصاص میں مساوات چاہئے لہٰذا ایک جان کے بدلے میں ایک ہی جان کو مارا جانا چاہئے، لیکن یہ قول راجح نہیں ہے اسی لئے اکثر فقہاء کی نظر میں خلیفہ راشد عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ صحیح تھا۔

اسی طرح اور بھی بہت سارے مسائل ہیں جن میں اختلاف ہے آج بھی بہت سارے مسائل پیدا ہو رہے ہیں جن کے بارے میں متعین کوئی آیت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حدیث ہے اور نہ ہی اصول قیاس کے دائرے میں آتا ہے لیکن شریعت کے جو مقاصد ہیں ان کو سامنے رکھ کر ان میں مصالح کی بنیاد پر حکم لگایا جاتا ہے ہیں کیونکہ شریعت کا حقیقی مقصد انسانوں کو ہر اعتبار سے تحفظ دینا ہے۔

اسی طرح اگر کسی معاشرے میں جرائم اتنے پھیل گئے ہوں کہ خاص شرعی حدود کی تنفیذ سے ان جرائم پر قابو پانا مشکل ہو گیا ہو، جیسے چوری ڈکیتی اور لوٹ کھسوٹ جیسے جرائم حد سے زیادہ بڑھ گئے ہوں تو بعض فقہاء نے اس طرح کے جرائم کو روکنے کے لئے تعزیر

اور قتل کرنے کا فتویٰ بھی دیا ہے، کیونکہ جو شرعی حدود ہیں ان سے جرائم پر قابو نہیں پایا جا رہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ سب مجملہ ان اسباب اختلاف میں ہیں جو مشروع اور جائز اختلاف کے دائرے میں آتے ہیں۔

دور جدید میں مصالح مرسلہ کی بنیاد پر وضع کئے گئے بعض مسائل کے حل:

آج کل ویزے، اقامے اور پاسپورٹ کا قانون، اور ٹریفک کے قوانین یہ سب مسلم اور غیر مسلم سارے ممالک میں ہیں۔

تو جن ملکوں میں اسلامی قوانین ہیں وہاں کے لیے کیا دلیل ہے کہ ہوں؟

یہ جو سارے قوانین وضوابط بنائے گئے ہیں قرآن وحدیث میں اس کی متعین دلیل نہیں لیکن یہ سب انسانوں کی مصلحت کے لئے وضع کئے گئے ہیں اگر یہ سب قوانین نہ ہوں تو معاشرے میں بد نظمی پھیل جائے گی۔ انسان کی جان ومال اور اس کی عزت وآبرو خطرے میں پڑ جائے گی، یہ سب نہ ہوں تو بڑے مسائل پیدا ہوں گے۔ سارے مجرمین ملک میں گھس جائیں گے اور وہاں کا سارا ماحول خراب کر دیں گے اور حالات کو قابو کرنا مشکل ہوگا۔ مصالح مرسلہ کا موضوع یہیں ختم ہوتا ہے۔

مفہوم مخالف:

کسی بھی کلام کا ایک معنی ومفہوم وہ ہوتا ہے جس کے مقابلے میں متعین الفاظ ہوتے ہیں وہی الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں ہے اس طرح کے معنی ومفہوم کو منطوق کہا جاتا ہے۔

اور کلام کا ایک معنی وہ ہوتا ہے جس کے لئے مخصوص الفاظ نہیں ہوتے ہیں بلکہ اسلوب کلام سے سمجھا جاتا ہے اور وہ منطوق کے موافق ہوتا ہے، اسے مفہوم موافق کہتے ہیں۔

اور کلام کا ایک معنی اور بھی ہوتا ہے جس کے لئے مخصوص الفاظ نہیں ہوتے ہیں بلکہ اسلوب کلام سے ہی سمجھا جاتا ہے لیکن وہ معنی منطوق کے مخالف یعنی الٹا ہوتا ہے، اسے مفہوم مخالف کہتے ہیں۔

مثال: اللہ تعالی فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ [النساء:۱۰]

یعنی بیشک جولوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ کو کھاتے ہیں اور عنقریب ہی جہنم کی آگ سے تپائے جائیں گے۔

مذکورہ آیت میں یتیم کے مال کو ناحق کھانے پر شدید وعید کا ذکر ہے آیت کے اس معنی کو منطوق کہتے ہیں کیونکہ ہر لفظ کے مقابلے میں اس کا معنی ہے۔ مذکورہ آیت میں ناحق کھانے پر وعید ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص یتیم کا مال کھانے کے بجائے کسی اور مصرف میں ناحق خرچ کردے مثلاً اپنے ذاتی استعمال کے لیے ناحق کپڑے سلا لیے تو کہا جائیگا کہ وہ بھی اس وعید کا مستحق ہوگا، لیکن اس کے لیے لفظ نہیں ہے مگر آیت میں مذکور لفظ کے مفہوم کے موافق ہے اس لیے اس کو مفہوم موافق کہیں گے۔

مذکورہ آیت میں ظلماً یعنی ناحق کھانے پر وعید ہے لیکن اگر کوئی شخص یتیم کا مال حق کے ساتھ کھاتا ہے تو یہ مفہوم نکلے گا کہ وہ اس وعید کا مستحق نہیں ہوگا، اس مفہوم کو مفہوم مخالف کہا جاتا ہے۔

مفہوم مخالف کی حجیت میں اختلاف:

اصول فقہ کے مختلف فیہ دلیلوں میں ''مفہوم مخالف'' ایک ایسی مختلف فیہ دلیل ہے کہ جس میں اختلاف کی وجہ سے بہت سے فقہی مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مثال: حدیث میں آیا ہے: " فی الغنم السائمة الزكاة "۔

''یعنی جو بکری عام چراگاہ میں چرنے والی ہے اس میں زکاۃ ہے۔''

یعنی جو باہر جا کے چرتی ہو، اور بکری کا مالک جسے چارا نہیں دیتا ہو پھر وہ نصاب کو پہنچتی ہو تو ایسی بکری میں زکاۃ ہے۔

غور کریں اس حدیث میں (الغنم) یعنی بکری کے ساتھ (سائمة) یعنی عام چراگاہ میں چرنے والا جانور کی صفت بھی ذکر کی گئی ہے۔

یاد رہے سائمہ کا الٹا معلوفہ ہے یعنی جس کو اس کا مالک خود چارہ کھانے کو دیتا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر بکری چرنے والی نہ ہو بلکہ اس کا مالک اسے چارہ پانی خود دیتا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

مفہوم مخالف یہی نکلتا ہے کہ اگر چرنے والی نہ ہو تو اس پر زکاۃ نہیں ہے۔

اصولی طور پر کیا یہ مفہوم مخالف حجت یعنی دلیل ہے؟

یہ بھی ایک مختلف فیہ اصولی مسئلہ ہے۔

اکثر علماء کرام کے یہاں یہ حجت ہے کچھ شرائط کے ساتھ۔

سب سے اہم شرط یہ ہے کہ یہ مفہوم کسی منطوق سے متعارض نہ ہو۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ حکم کے ساتھ جو صفت ذکر کی گئی ہے وہ اس طرح نہ ہو جیسے کہ عام طور سے ہوتا ہے بلکہ قصداً اس کو بطور امتیاز ذکر کیا گیا ہو۔

مثلاً: محرمات کے ضمن میں ارشاد باری تعالی ہے:

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ [النساء: ۲۳]

یعنی تمہاری زیر تربیت تمھاری منکوحہ عورتوں کی وہ لڑکیاں بھی تمھارے اوپر حرام ہیں جو تمھاری گودوں میں ہوتی ہیں۔

اس آیت میں ربیبہ لڑکیوں سے نکاح کی حرمت کا حکم "فِيْ حُجُوْرِكُمْ" یعنی گود میں ہونے کی قید کے ساتھ بیان کیا ہے اس کا مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ اگر ربیبہ گود میں نہ ہو تو اس صورت میں اس سے نکاح حرام نہیں ہوگا۔

حالانکہ یہ مفہوم باری تعالیٰ بالا جماع معتبر نہیں ہے ربیبہ ہر حال میں حرام ہے خواہ گود میں ہو یا گود میں نہ ہو اور گود میں ہونے کی جو قید ہے وہ امر واقع ہے اور عموماً ایسا ہوتا ہے یعنی مفہوم مخالف معتبر نہیں۔

قرآن کریم میں سورۃ نساء میں جہاں محرمات کا ذکر ہے اسی سیاق میں نکاح کے تعلق سے ایک خاص حکم بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ [النساء:۲۵]

یعنی: ''اور تم میں سے جس کسی کے پاس آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرلے۔''

غور کریں مسلمہ لونڈی سے نکاح کی اجازت ان لوگوں کے لئے ہے جو آزاد مسلمہ خواتین سے نکاح نہ کرسکتے ہوں۔

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر آزاد عورت سے نکاح کرسکتا ہے تو لونڈی سے نکاح نہ کرے

اس کے بعد آگے فرمایا:

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ [النساء:۲۵]

یعنی: ''یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو لوگ نکاح نہ کرنے کی صورت میں اپنے نفس پر قابو پانے میں انتہائی مشقت محسوس کررہے ہوں۔''

یعنی بنا شریک حیات کے غلط راہوں میں پڑنے کا اندیشہ ستا رہا ہو۔

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر اس طرح کی تکلیف اور اندیشہ نہ ہو تو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

اصولی طور پر مفہوم مخالف کا بحیثیت دلیل اعتبار ہوگا یا نہیں؟ فقہائے امت کے اندر

اس میں اختلاف ہے۔

اگر وہ بحیثیت دلیل معتبر ہے تو اس کا مطلب ہے اس شخص کو لونڈی سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے جو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں نفس پر کنٹرول کرسکتا ہے، یہی خیال بعض علماء کا ہے جن میں امام احمد بن حنبل اور امام شافعی وغیرہ ہیں۔

جب کہ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں مفہوم مخالف حجت نہیں ہے۔

چنانچہ اگر کسی شخص کے پاس آزاد خاتون سے نکاح کرنے کی استطاعت ہو تب بھی مؤمنہ لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے، اسی طرح وہ بھی لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے جسے خواہشات نفس کے کسی فتنے میں پڑنے کا اندیشہ نہ بھی ہو، کیونکہ ان کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

اختلاف کا چوتھا سبب

۴۔ شریعت میں احکامات کا مختلف طریقوں پر مشروع ہونا بھی اختلاف کا سبب ہے۔

پانچ میں سے اب تک ہم نے تین وجوہات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

اب اختلاف کی چوتھی وجہ کے بارے میں تفصیل جاننے کی کوشش کریں گے۔ یعنی شریعت میں احکامات کا مختلف طریقوں پہ مشروع ہونا۔

جہاں شریعت نے ایک ہی مسئلے میں مختلف احکام دیے ہوں۔ مثال کی طور پہ حج تین طرح سے مشروع ہے۔ اور کچھ علماء مثال دیتے ہیں اقامت کی۔

بعض روایتوں میں آتا ہے اقامت بھی اذان ہی کی طرح مشروع ہے یعنی دو دو مرتبہ۔ وہ بھی جائز ہے۔ افضل ہونا الگ ہے اور جائز ہونا الگ ہے۔

اب اگر امت کے اندر اختلاف ہے تو صرف افضلیت پر ہے۔ لیکن بعد میں آنے والے تقلید اور تعصب نے اسے دوسرا ہی رنگ دے دیا۔ جس سے یہ لگتا ہے کہ اصل اختلاف اس کے جائز یا ناجائز ہونے میں ہے۔

اسی طرح، حج افراد کرو یا حج قرآن کرو یا حج تمتع کرو یہ سب جائز ہیں۔ اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔

لیکن آج تعصب کی وجہ سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میرے امام نے جو حج کیا وہی حج افضل ہے۔

یہ غلط فہمی کا نتیجہ ہے اور تعصب کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ اختلاف کس درجہ کا ہے۔ اختلاف افضلیت کا ہے کہ اصلیت کا ہے۔ اگر افضلیت کا ہے تو اسے اسی درجہ میں رکھنا چاہیے۔ اس طرح کے مسائل میں بھی لوگوں میں بہت غلط فہمیاں ہیں اور کبھی کبھی یہ غلط فہمیاں بڑے فتنے کا سبب بنتے ہیں۔

اختلاف کا پانچواں سبب

۵۔ فقہاء کی علمی صلاحیتوں اور قابلیتوں میں اختلاف

اختلاف کی اس پانچویں وجہ کے بارے میں کچھ تفصیل جاننے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

فقہاء اربعہ جن کے نام پر چار بڑے مذاہب وجود میں آئے ہیں یا فقہاء محدثین جیسے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرہ اور اسی طرح سے فقہاء تفسیر بھی ہیں ان کی تفاسیر میں بھی فقہی مسائل پائے جاتے ہیں جو خود ان کے اجتہادات کا نتیجہ ہیں، جیسے ابن جریر اور ابن کثیر اور امام قرطبی وغیرہ یہ سب فقہاء امت ہیں۔ ان فقہاء امت کی علمی صلاحیتیں ایک جیسی نہیں تھیں اور حدیث کے بارے میں ان کی معلومات ایک جیسی نہیں تھیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان سب کی صلاحیتوں اور قابلیتوں میں فرق تھا، جو کہ فقہ کے اسباب اور وسیلے کی حیثیت رکھتی ہیں تو فقہی مسائل میں بھی اختلاف ہوگا۔

اس لئے ہم نے ائمہ کرام خاص طور سے جو مشہور ائمہ کرام ہیں یعنی ائمہ اربعہ اور امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر مخصوص طریقے سے کیا ہے جو محدثین میں امیر الفقہاء ہیں۔ اور آپ جس طرح سے محدثین میں امیر المومنین فی الحدیث ہیں اسی طرح فقہ السنۃ میں آپ کا بہت اونچا مقام ہے۔

حصہ دوم

اختلاف مذموم۔ یعنی وہ اختلاف جو قابل مذمت ہے:

یہاں سے ہم اختلاف امت کے تعلق سے اس موضوع کا دوسرے پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرنے جارہے ہیں۔

پہلے باب میں ہم نے اختلاف مشروع یا اجتہادی اختلاف کا ذکر کیا اور ان اختلافات کے اسباب پر روشنی ڈالی اور ہم نے یہ دیکھا کہ اس میں اختلاف کرنے والوں کو کس حد تک معذور سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کے اسباب ہیں اور اس کی تاویل ہے مگر اختلاف کسی حال میں بھی مستحسن نہیں ہے۔

اب اس اختلاف کے پر روشنی ڈالیں گے جس کو اختلاف مذموم کہتے ہیں یعنی وہ اختلاف جو شریعت کی نظر میں قابل مذمت ہے اور اختلاف کرنے والا بھی قابل مذمت ہے۔

قابل مذمت اسباب کے دو بنیادی وجوہات ہیں۔

۱۔ سوءِ قصد یعنی بد نیتی۔

۲۔ سوءِ فہم یعنی کم علمی یا کج فہمی۔ یعنی سوچ اور سمجھ میں ٹیڑھا پن۔

مذموم اختلاف کی مختصر پہچان:

ہر وہ اختلاف جس میں کم علمی، کج فہمی اور بد نیتی سے کتاب وسنت کی مخالفت کی گئی ہو، یا منہج سلف سے بغاوت کی گئی ہو، یہی مذموم اختلاف ہے۔

اور اس طرح کا اختلاف عموماً تعصب اور عناد کی بنیاد پر ہوتا ہے یا پھر عقلی دلیلوں کو ترجیح دینے کی وجہ سے یا فلسفے سے متاثر ہو کر یا دوسری قوموں کے منہج سے متاثر ہو کر۔ لیکن

اصل بنیادی وجہ تو کتاب وسنت کو نظر انداز کرنے اور منہج سلف سے بغاوت کی وجہ سے ہے۔

مذموم اختلاف کے اس باب پر امام ابن تیمیہ کی تفصیلی بحث:

علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر عیب لگایا یعنی جن کے اوپر تنقید کی، اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے اندر دو چیزیں جمع کی تھیں، اپنے دین اور اپنے اعتقادات میں، وہ دونوں چیزیں ہیں سوء قصد اور جہل۔"

یہ اہل کتاب کے بارے میں کہا گیا۔ کیوں کہ یہ باطل فرقے تو نزول قرآن کے وقت موجود نہیں تھے۔ لیکن جن بنیاد پر اہلِ کتاب نے اختلاف کیا یہی بنیادی، یہی باتیں ان باطل فرقوں میں بھی پائی جاتی ہیں، یعنی "سوء قصد اور جہل۔"

علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ان باطل فرقوں کے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ:

معنی تو سمجھ میں آتا نہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ کی کتاب کی آیتوں کو بعض سے بعض کو ٹکرا کر تعارض دکھائیں، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ یہ آیت اس آیت سے متعارض ہے وہ آیت اس آیت سے متعارض ہے یہ حدیث اس حدیث سے متعارض ہے وہ حدیث اس حدیث سے متعارض ہے۔

اس طرح کی باتوں سے لوگوں کو شک وشبہ میں ڈالنا چاہتے ہیں یہ تصور دینے کے لئے کہ یہ نصوص قابل اعتبار نہیں ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ایسا ہے تو دوسری حدیث میں اس کے خلاف ہے۔

اور بدنیتی اور کم علمی سے بہت ساری دینی اور ایمانی گمراہیاں وجود میں آئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں گزشتہ امتوں کی برائیاں بیان کی ہیں اور ان کی گمراہیوں کا تذکرہ کیا ہے وہاں پر حق کی دعوت کا انکار کرنے والوں کی اہم صفات میں بدنیتی سے پیدا ہونے والے اخلاقی برائیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ بدنیتی خطرناک بیماری ہے۔ ہٹ دھرمی، بیجا تعصب، ظالمانہ حمیت، اندھی تقلید، جاہ ومنصب کی خواہش، مال ودولت کی لالچ، شہرت و

ناموری کی ہوس یہ سب بدنیتی کے اندر آتے ہیں۔ اور اس جیسی بہت ساری بیماریاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایک عالم دین اگر اس طرح کے مرض کا شکار ہو تو خواہ وہ کسی ادارے میں شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، شیخ الفقہ ہو، یا مفتی اعظم ہو مگر اپنے مسلک کے خلاف صحیح حدیث کو آسانی سے تسلیم نہیں کر سکے گا، کیونکہ اس کی وجہ سے اس کے جاہ ومنصب کا وقار مقلدین کی نظر میں گر جائے گا پھر لوگوں کے ساتھ جو مفادات اور مصلحتیں وابستہ رہتی ہیں ان سے محروم ہو جائے گا اسی لئے علماء یہود ونصاریٰ حق کو جانتے ہوئے بھی اسے تسلیم نہیں کرتے تھے۔

ہٹ دھرمی پر مبنی اختلاف کا تذکرہ قرآن میں جابجا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ [البقرۃ: ۲۱۳]

ساری انسانیت ایک ہی جماعت تھی، آدم کی اولاد تھی۔ پھر انھوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور حق پہ مبنی کتاب نازل کی تاکہ ان باتوں میں فیصلہ کرے جن باتوں میں اختلاف ہوا ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہوئی کہ اس میں اختلاف بھی انھیں لوگوں نے کیا جن کے پاس کتاب آ گئی اور واضح دلائل آ گئے۔ یہ سب ان کے آپس کے عناد اور تعصب کا نتیجہ تھا۔

علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ کج فہمی اور قصد وارادے کا فساد یعنی فہم اور بصیرت میں ٹیڑھاپن ہے اور ارادوں اور نیتوں میں بھی فساد ہے۔ تو جب یہ دونوں ہی چیزیں موجود ہوں، یعنی سمجھ میں بھی ٹیڑھاپن ہے اور نیتیں بھی صحیح نہیں ہیں۔ جب یہ دونوں ہی چیزیں کسی میں اکٹھی ہو جائیں تو کہتے ہیں ان کے درمیان حق سے جہالت اور اہل حق سے

دشمنی پیدا ہوتی ہے۔

حق کو ٹھکراتے رہنا، حق کو جاننے کی خواہش ہی نہیں کرنا، حق سے جاہل ہی رہنا اور اہل حق سے عداوت یہ سب ان کا شیوہ بن جاتا ہے۔

جتنے بھی فاسد مذاہب کے اصولوں پر غور کرو گے تو آپ کو ملے گا کہ ان مذاہب کے ماننے والے اپنے مذاہب کو انھیں دو اصولوں پر استوار کرتے ہیں۔

جس چیز نے ان کو فساد پر آمادہ کیا ہے وہ شکوک وشبہات اور شہوات ہیں۔ شبہات کس سے پیدا ہوتے ہیں؟ کم علمی، کج فہمی سے۔ اور شہوت کس سے پیدا ہوتی ہے؟ مال کی شہوت، جاہ کی شہوت، دنیا کی شہوت۔ یہ سب بدنیتی سے پیدا ہوتی ہیں۔

قرآن تو وہ بھی پڑھتے ہیں لیکن قرآن کو اس طرح نہیں سمجھ پاتے جس طرح سلف صالحین نے سمجھا تھا۔

آخر یہی قرآن تو روافض (شیعوں) کے پاس بھی ہے۔ یہی قرآن خوارج کے پاس ہے۔ اسی قرآن سے وہ صحابہ کرام کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور اسی قرآن سے ہم صحابہ کرام کی عدالت اور ان کی عظمت کو ثابت کرتے ہیں۔ دونوں میں قصد وارادہ اور فہم وبصیرت کا فرق ہے، ایک طرف قصد وارادے میں پاکیزگی اور فہم وبصیرت میں گہرائی اور استقامت ہے تو دوسری طرف قصد وارادے میں فساد اور فہم وبصیرت کی کمی اور ٹیڑھا پن۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کی مذمت کی ہے جو بدگمانی اور خواہشات نفس کی پیروی میں مبتلا ہو، بدگمانی شبہات کو جنم دیتی ہے اور خواہشات نفس کی پیروی شہوات کو جنم دیتی ہے۔

شبہات اور شہوات ہی دین میں تمام فساد کی جڑ ہے اور یہی دونوں صفات ہر باطل کے پنپنے کی زرخیز جگہ ہے۔

فلسفہ یونان کی بنیاد پر وجود میں آنے والا علم کلام بہت سے مذموم اختلاف کا سبب ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ جو ''احیاء علوم الدین'' کے مصنف ہیں اور جن کا علماء شافعیہ میں

بڑا مقام ہے انھوں نے فقہ میں بہت ساری کتابیں لکھی ہیں اور تصوف پر بھی ان کی بہت ساری کتابیں ہیں۔

فن تصوف میں انہوں نے جو کچھ تحریر کیا ہے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسے فلاسفہ سے لیا ہے اور کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھے بنا قبول کر لیا اس لئے ایمان وعقائد کے باب میں بہت خطرناک قسم کی غلطیوں میں پڑ گئے ان کے متعلق لکھا جاتا ہے کہ "امام غزالی فلاسفہ کے پیٹ میں تو گھس گئے لیکن وہاں سے نکل نہیں سکے اور اسی میں غوطہ زنی کرتے رہے مگر آخری عمر میں تصوف اور فلسفیانہ نظریات سے رجوع کر لیا تھا چنانچہ صحیح بخاری شریف کو سینے پہ رکھ کر یہ کہتے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے کہ میں ان لوگوں کے دین پر مر رہا ہوں جو" قیل وقال" میں نہیں پڑتے۔

یعنی منطق وفلسفہ کی بنیاد پر دین کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔

بلکہ دین کو منہج سلف کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں

آج اگر گمراہ فرقوں کے مقررین ومؤلفین کے طرز کلام پر نظر ڈالا جائے تو اس کے ایسے ایسے نقطے ملیں گے جو کتاب وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہونگے مثلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشریت کے انکار میں ایسی تقریر کرتے ہیں کہ عوام رنجھ جاتے ہیں، رونے لگتے ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر ثابت کرنے میں ایسی تقریر کرتے ہیں کہ عوام داد دینے لگتے ہیں اور اپنے اولیاء کی منقبت بیان کرنے میں ایسی مبالغہ آرائی کرتے ہیں کہ جس سے ان کا مقام انبیاء سے بھی اوپر نظر آنے لگتا ہے۔

یہ ساری بدعقیدگیاں، کم علمی اور کج فہمی کے ساتھ بدنیتی کا نتیجہ ہیں۔

گمراہیوں کے موجدین وقائدین

شبہات اور شہوات یا بدنیتی اور کم علمی کی بنیاد پر جو ضلالتیں وجود میں آئیں ہیں ان کو

ایجاد کرنے اور پھیلانے میں کچھ لوگوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اسی لیے ان کو گمراہیوں کے بانی اور قائدین کہا جاتا ہے۔

ان میں چند شخصیات بہت اہم ہیں جن کا تذکرہ علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ نے ''رؤساء الضلال''، یعنی گمراہیوں کے سردار کے القاب سے کیا ہے،

ان میں سب سے زیادہ مشہور درج ذیل لوگ ہیں۔

۱ - عبداللہ بن سباء

۲ - معبد الجہنی

۳ - جعد ابن درہم

۴ - غیلان الدمشقی

۵ - جہم ابن صفوان

۶ - واصل ابن عطاء

۷ - عمرو ابن عبید

یہ سات سرکردہ شخصیتیں ہیں جنھوں نے طرح طرح کی گمراہیاں ایجاد کیں اور ان کو علمی رنگ دینے کے لیے ان کے اصول اور ضوابط بھی وضع کئے تاکہ بعد میں آنے والے انھیں اصولوں پر اپنے ایمان وعقیدہ کی بنیاد رکھیں۔ اسی کی بنیاد پر دین کو سمجھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تھا: ''تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ میرے بعد بہت سارے اختلافات کو دیکھے گا۔''

یہاں سے گمراہیوں کے مذکورہ بانیوں کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ عبداللہ بن سبا:

یہ شخص اصل میں بلاد فارس کا رہنے والا تھا، پھر چکر لگاتے ہوئے یمن چلا گیا۔ اس کی مشہور کنیت ابن السوداء ہے یعنی کالی خاتون کا بیٹا، کیونکہ یہ ایک افریقی نسل کی ایک لونڈی کا لڑکا تھا۔

یہ اصلاً یہودی النسل تھا اس نے اسلامی شخصیت کا لبادہ اس وقت اوڑھا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر سیاسی ہل چل اور اضطراب کی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت اس نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا اور تحریک چلائی کہ خلافت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں یعنی اہل بیت تک محصور رہنی چاہیے۔ لہٰذا اس نے خلافت کو اہل بیت میں واپس لانے کی تحریک چلانے کا منصوبہ بنایا۔

اس طرح اس نے پہلے اسلام کا لبادہ اوڑھا پھر اہل بیت سے وفاداری کا لبادہ اوڑھا اور اس کے بعد کہا کہ اہل بیت ہی خلافت کے حقدار ہیں۔ اس کا مقصد دینی نہیں تھا یہ سارے امور خود فتنے میں داخل ہونے کے لئے اسباب کے طور پر اپناتا گیا پھر لوگوں میں اس طرح کے فتنے کو پھیلانے کے لئے قابل مذمت کوششیں کرنے لگا تاکہ اس طرح کے جذباتی نعروں سے عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو سکے، اور تقریباً ہر دور میں فتنوں کو ابھارنے اور عوام میں پھیلانے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اہل علم اور اہل بصیرت کو درکنار کر دیا جاتا ہے۔

ابن سباء نے جب سادہ لوح عوام کو اپنی طرف مائل کر لیا تو پھر لوگوں میں ایک کے بعد ایک بدعقیدگی کے نظریات پھیلاتا گیا چنانچہ اس نے جو تحریک چلائی وہ آگے چل کر بڑی خطرناک ثابت ہوئی۔

یہ پہلا انسان ہے جس نے رجعت کا عقیدہ لوگوں میں پیدا کیا۔ یعنی جب علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو اس نے کہا حضرت علی کی وفات نہیں ہوئی ہے وہ صرف ظاہری طور سے غائب ہو گئے ہیں لہٰذا وہ دوبارہ آئیں گے اور ان ظالموں اور غاصبوں سے خلافت واپس لے کے چھوڑیں گے اور پھر اہل بیت کی خلافت قائم کریں گے۔

بعد میں یہ عقیدہ اکثر روافض (یعنی شیعہ) کے فرقوں میں پایا گیا۔

دوسرا عقیدہ اس نے ایجاد کیا کہ علی رضی اللہ عنہ کے اندر الوہیت حلول کر گئی ہے اور وہ خود الٰہ (یعنی معبود) ہیں۔ اس نے حلول کا عقیدہ ایجاد کیا جسے آگے چل کے صوفیوں نے بھی قبول کیا۔ حلول کہتے ہیں کوئی چیز کسی کے اندر داخل ہو جائے۔ جیسے پانی کے اندر شکر ڈال کر ہلا دی

جائے تو اب وہ شکر نظر نہیں آئے گی بلکہ وہ اسی پانی میں حل ہو جائے گی اسی حل سے حلول ہے۔
اب جس طرح سے شکر پانی میں نظر نہیں آئے گی اسے پانی سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے اسی طرح اس عقیدے کے مطابق انسان دیکھنے میں انسان نظر آتا ہے مگر اس میں الوہیت حلول کر چکی ہوتی ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ [بنی اسرائیل۔ ۴۳]

تیسری گمراہی جو عبداللہ بن سبا نے ایجاد کی وہ یہ تھی کہ...

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کی ہے کہ میرے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہونگے۔ کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیرِ خم میں حضرت علی کی خلافت کی باقاعدہ وصیت کی تھی۔''

یاد رہے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار مدینہ سے باہر غدیر خم نام کی جگہ پر صحابہ کرام سے ایک خطاب کیا تھا آپ نے اپنے اس خطاب میں عام طور پر حسن سلوک کی وصیت کی تھی، اور کتاب وسنت پہ چلنے کا حکم دیا خصوصاً اہل بیت کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کی وصیت بھی کی اسی خطاب کو توڑ مڑور کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ اسی خطاب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کے خلافت کی وصیت کی تھی اس بات کو ہوا دینے والا یہی شخص عبداللہ بن سبا تھا۔

اسی طرح اس کی چوتھی اور انتہائی خطرناک گمراہی جسے اس نے لوگوں کے درمیان پھیلانے کی ناپاک کوشش کی وہ قرآن کریم سے متعلق تھی چنانچہ اس نے عوام میں یہ کہنا شروع کیا کہ یہ قرآن جو لوگوں کے پاس ہے وہ وہی قرآن نہیں ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ نازل ہوا تھا۔ یہ اصل قرآن کا کچھ حصہ ہے باقی قرآن کا علم صرف علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور کسی کے پاس نہیں ہے اور یہ بھی کہا کہ آل بیت کے پاس وہ نسخہ محفوظ تھا، لیکن جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے مشورے سے لوگوں کے پاس موجود سارے نسخوں کو جلایا تھا اسی میں اس نسخہ فاطمی کو بھی جلا دیا گیا جسے علی رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔ شیعہ کہتے ہیں مصحف فاطمی میں بہت ساری ایسی سورتیں تھیں جن میں آل بیت کے فضائل مذکور تھے اور جن میں حضرت علی اور آل بیت کی خلافت کی وصیتیں تھیں ان سب کو صحابہ کرام نے جلا دیا۔

عبداللہ بن سبا وہ پہلا شخص ہے جس نے اس طرح کی بدعقیدگیوں کو لوگوں میں

پھیلانے کی ناپاک کوشش کیں، اور بعد میں شیعہ رافضی مذہب میں بنیادی عقائد میں شامل ہوگیا اور قرآن کریم کے تعلق سے یہ عقیدہ راسخ ہوگیا کہ یہ قرآن ناقص ہے۔ والعیاذ باللہ۔

ابن سبا کی ہلاکت : ایک روایت کے مطابق تقریبا سن ۶۹ - ۷۰ھ کے درمیان اس کی وفات کا اندازہ لگایا گیا ہے۔

۲۔ معبد الجہنی (المتوفی ۹۰ ہجری)

یہ شخص حدیث کا راوی بھی ہے۔ محدثین نے اس سے روایت بھی کی ہے اور یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ بہت ساری ایسی شخصیتیں ہیں جن کے اندر عقیدے کی تہمت ہیں پھر بھی ان سے روایت نقل کی گئی ہیں، کیوں کہ اس زمانے میں عموماً جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا اور اگر کوئی جھوٹ بولتا تھا تو مشہور ہوتا تھا، اس لیے جن کے بارے میں جھوٹ کا تجربہ نہ ہوتا ان سے روایت کرتے تھے۔ جیسے خوارج، ان کے نزدیک جھوٹ بولنا ایسا گناہ کبیرہ ہے جس سے انسان جہنم میں چلا جاتا ہے اس لئے خوارج کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔

بہرحال معبد الجہنی جو بصرہ کا رہنے والا تھا اس نے تقدیر کو موضوع بنایا اور تقدیر کے موضوع پر گمراہی کی بات کی۔

امام حسن بصری کا قول ہے کہ معبد سے بچو کیونکہ یہ شخص خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں اس شخص کی روایت کردہ حدیث تو ٹھیک ہے مگر اس کا مذہب فاسد اور ناقابل قبول ہے۔

علماء کرام کے اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ امت مسلمہ میں تقدیر کے مسئلہ میں کلام کرنے والا یعنی تقدیر کا انکار کرنے والا یہ پہلا شخص ہے۔

وضاحت:

تقدیر کے تعلق سے جو گمراہی ہے اس کا تعلق بندوں کے اختیاری اعمال سے ہے، یعنی

بندہ جو بھی عمل کرتا ہے چاہے وہ نیک عمل ہو یا بد عمل ہو، کیا وہ پہلے سے لکھا ہوتا ہے؟

باقی چیزوں کے بارے سب کا اتفاق ہے کہ وہ سب اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ مثلاً یہ سب مانتے ہیں کہ انسان کا وجود، رنگ، نسل جیسی غیر اختیاری چیزیں اللہ کی تقدیر سے ہیں۔

اصل اختلاف کہاں ہے؟

اختلاف اس میں ہے کہ آپ جو کرتے ہیں کیا وہ لکھا ہوا ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے جانتا ہے یا نہیں جانتا ہے؟

قدریہ یعنی جو تقدیر کے منکر ہیں، تقدیر کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ جو چیزیں بندوں کے اختیار سے باہر ہیں صرف انھیں سے تقدیر کا مسئلہ وابستہ ہوتا ہے اور جو اعمال بندوں کے اختیار میں ہوتے ہیں ان سے تقدیر کا کوئی تعلق نہیں ہے اور بندے کے کسی کام کے کرنے سے پہلے، اللہ تعالیٰ نے اس کے تقدیر میں نہیں لکھا ہے کہ وہ کرے گا یا نہیں کریگا اور بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہوتا ہے اور ان کے اختیاری اعمال ان کی طرف سے کئے جانے کے بعد ہی اللہ کے حکم سے لکھے جاتے ہیں۔

اہل سنت کے یہاں تقدیر پر ایمان کا مطلب؟

علماء سنت و جماعت کے نزدیک تقدیر پر ایمان کے چار ارکان ہیں:

اللہ تعالیٰ کو ماضی حال اور مستقبل کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا عالم سمجھنا۔ حتیٰ کہ بندوں کے اختیاری اعمال کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کے متعلق تفصیلی علم ہونے پر یقین رکھنا خواہ وہ اعمال اطاعت کے قبیل سے ہوں یا معصیت کے یعنی اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اس کی تصدیق کرنا۔

اور کسی بھی چیز کے وجود میں آنے یا نہ آنے میں اس کی مشیت اور ارادے کے کارفرما ہونے پر یقین رکھنا، حتیٰ کہ بندوں کے اختیاری نیک اور برے اعمال کو اس کی مشیت کے تابع سمجھنا یعنی کفر و ایمان، ہدایت ضلالت، اطاعت و معصیت سب کچھ اس کی مشیت اور ارادے کے تابع ہیں اس کی تصدیق کرنا۔

اور اس بات کی تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم وارادے سے چھوٹی بڑی جس چیز کو بھی وجود میں لانا چاہتا ہے اسے وجود میں آنے سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے، اور اس بات پر یقین رکھنا کہ کائنات میں جو چیز بھی ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کا خالق ہے حتیٰ کہ بندوں کے اختیاری اعمال کا بھی وہی خالق ہے (اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ [الزمر: ۶۲])

خلاصۂ کلام:

تقدیر پر ایمان کا مطلب ہے: مذکورہ چاروں حقائق کو تسلیم وتصدیق کرنا، یعنی یہ تسلیم کرنا کہ کائنات کی ہر چیز کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا علم، اور اس کا ارادہ کارفرما ہے، اور ہر چیز لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے اور ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اس میں بندوں کے اختیاری اعمال بھی شامل ہیں، یہی تقدیر پر ایمان کا خلاصہ ہے۔

۳۔ جعد ابن درہم:

اس نے بھی تقدیر کے مسئلہ میں معبد الجہنی کی ہمنوائی کی اس نے مزید ایک اور گمراہی ایجاد کی، وہ ہے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا انکار۔

بعد میں معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ جیسے فرقوں نے انھیں لوگوں کی گمراہیوں کو علمی رنگ دے کر اہل سنت وجماعت یعنی سلف صالحین کے منہج سے ہٹ کر ایمان وعقیدہ کے باب میں مستقل منہج ایجاد کر لیا۔

مثلاً قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ [النساء: ۱۶۴]

یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے بات کی

تو جعد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بات کو موسیٰ کے لیے پیدا کیا۔ پھر معتزلہ نے اسی کو بنیاد بنا کر قرآن کے مخلوق ہونے کی بدعت ایجاد کی جو علمائے امت کے حق میں بہت بڑا فتنہ ثابت ہوا خصوصاً اس وقت جب حکومت بھی ان کی ہم نوا ہوگئی، اشاعرہ اور ماتریدیہ بھی اس بدعت

سے ملوث ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، چنانچہ صفتِ کلام کے تعلق سے صرف معنی کی نسبت اللہ کی طرف کی اور لفظ اور صوت کا انکار کر کے منہج سلف سے ہٹ کر ایک الگ منہج ایجاد کر لیا۔

بہر حال یہ جعد بن درہم وہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا انکار کیا جو صفت قرآن وحدیث کے صریح نصوص اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔

جعد کی سزائے موت:

جس وقت یہ شخص اس بدعت کو رواج دے رہا تھا اس وقت خالد ابن عبداللہ القصر ی کوفہ کے گورنر تھے۔ انھیں جب اس کے عقیدے کا پتہ چلا تو اسے جیل میں رکھا اور جب اس نے اپنی گمراہی سے توبہ نہیں کی تو اس کو قتل کر دینے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ جب عید الاضحیٰ کا دن آیا تو نماز پڑھائی، خطبہ دیا اور منبر سے اتر کر فرمایا:

> ''آپ لوگ جانوروں کی قربانی کرو اللہ تعالیٰ آپ کی قربانیوں کو قبول کرے۔ میں تو جعد بن درھم کی قربانی کرنے جا رہا ہوں، چنانچہ جا کر جعد کو ذبح کر دیا۔''

دین کے بنیادی اصول ومبادی کے تحفظ اور فتنوں کے سد باب کے لئے اس طرح کا اقدام مصالح ضروریہ پر مبنی ہوتا ہے تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

حضرت علی نے بھی ان خوارج کو قتل کیا اور انھیں آگ میں جلا دیا جنھوں نے حضرت علی کو الہ (معبود) کہا۔ انہیں قتل کرنے میں یہی مصلحت تھی کہ اس فتنے کا سد باب ہو۔ مگر انھیں افسوس اس بات کا ہوا کہ آگ سے نہیں جلانا چاہئے تھا کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگ سے جلانے سے منع کیا ہے۔

۴۔ غیلان الدمشقی

یہ پہلی صدی ہجری میں دمشق میں پیدا ہوا وہیں پر اس کی وفات بھی ہوئی۔ یہ شخص بھی تقدیر کا منکر تھا، یعنی تقدیر کے مسئلہ میں یہ معبد الجہنی اور جعد ابن درھم کا مؤید تھا۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ شخص گمراہ اور علمی اعتبار سے مسکین تھا۔

ظاہر بات ہے کہ کم علمی، کج فہمی، سوءِ فہم، بدنیتی یہی ان گمراہیوں کے پنپنے کی وجوہات ہیں۔

ملک شام میں امامت کے درجہ پر فائز مشہور عالم دین امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب سنا کہ کوئی آدمی ہے جو کہتا ہے کہ تقدیر نہیں ہے تو اسے بلایا اس سے مناظرہ کیا۔ اس کے بعد جب دیکھا کہ وہ اپنی گمراہی پر اصرار کر رہا ہے تو انھوں نے فتویٰ دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ۱۰۵ ہجری کے آس پاس اس کو قتل کر دیا گیا۔

۵۔ جہم ابن صفوان

اس کا پورا نام تھا جہم ابن صفوان الراصبی سمرقندی۔ خراسان کے علاقے شہر ترمذ میں پیدا ہوا۔ یہ جعد ابن درہم کا شاگرد تھا اور اسی سے فلسفہ اور منطق سیکھا۔

آپ نے سنا ہوگا "فرقہ جہمیہ"۔ یہ ہے بانی اس عقیدہ کا جس عقیدہ کی بنیاد پر اللہ کی ذات اور صفات کا انکار کیا جاتا ہے یا اس میں تاویل کی جاتی ہے۔ یہ اصل ہے مرکزی شخصیت جس نے سب سے پہلے اللہ کی ذات اور صفات کے بارے میں کلام کیا۔

اس کے بہت سارے گمراہ کن نظریات تھے۔ اس کے منجملہ گمراہ کن افکار و نظریات میں یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ کا انکار۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا سب سے پہلے اس نے انکار کیا۔

۴۔ اسی نے عقیدہ جبر ایجاد کیا۔ یعنی انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اس پر مجبور ہے۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اپنے اختیار اور ارادے سے نہیں کرتا ہے، وہ مجبور محض ہے۔

۵۔ ایمان کے تعلق سے اسنے پانچواں عقیدہ یہ ایجاد کیا کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے۔ اس کے عقیدے کے مطابق ابلیس بھی مؤمن ہو جاتا ہے بلکہ اس کے نظریہ کے مطابق تو مشرک، کافر سب مؤمن ہو گئے۔

امام ذہبی نے لکھا ہے یہ گمراہوں کا رہنما ہے اور فرقے جہمیہ کا سردار ہے۔ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ جہم بن صفوان کا قول اصل میں فرعون کا قول ہے کیونکہ فرعون نے خالق کا انکار کیا تھا اور اس نے بھی صفات کا انکار کر کے خالق کا انکار کیا۔

۶۔ واصل ابن عطاء

فرقہ معتزلہ کا بانی یہی ہے۔ اس کی ولادت ۸۰ ؍ہجری میں مدینے میں ہوئی لیکن بعد میں یہ وہاں سے بصرہ منتقل ہو گیا۔ جو بدعتوں کی سب سے زرخیز زمین تھی۔

بصرہ میں مشہور عالم دین امام حسن بصری کی مجلس میں بیٹھتا تھا اور آپ کے درس سے استفادہ کرتا تھا۔

کسی موقع پر تذکرہ آیا گناہ کبیرہ کے مرتکبین کا، یعنی گناہ کبیرہ کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

اس سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی گناہ کبیرہ کرتا ہے جو کفر اور شرک تک نہیں پہنچتا اور نہ ہی نفاق ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے جیسے زنا کاری، فحاشی، سود خوری، شراب نوشی، جھوٹ بولنا، وغیرہ یہ ساری چیزیں گناہ کبیرہ ہیں تو اس کا ارتکاب کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ توبہ کرے۔ لیکن اگر بغیر توبہ کے مر جاتا ہے تو اللہ کی مشیت میں رہتا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو اس کو معاف کرے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ اس نے سو (۱۰۰) لوگوں کے قاتل کو معاف کیا اور اگر چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گناہ کی سزا دے اور اگر چاہے تو کچھ کی سزا دے اور کچھ کو معاف کرے۔ لیکن اگر وہ توحید پر مرا ہے تو کافر کی طرح ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیگا۔ بلکہ وہ جنت کا مستحق ہوگا سزا بھگت لینے کے بعد یا سزا سے معافی پا جانے کے بعد۔

لیکن واصل نے یہ عقیدہ گھڑا کہ گناہ کبیرہ کرنے والا انسان گناہ کبیرہ کرنے کے ساتھ ہی وہ ایمان سے نکل جاتا ہے۔ لیکن نہ مؤمن رہتا نہ کافر، بلکہ کفر و ایمان کے درمیان اس کے لئے ایک مقام ایجاد کیا جسے ''منزلہ بین المنزلتین'' کا نام دیا یعنی دو منزلوں کے درمیان کی

منزل۔

اس نے یہ بات جب امام حسن بصری کی محفل میں کہی تو انھیں بہت برا لگا اور جب اس نے اصرار کیا تو حسن بصری نے کہا میری مجلس سے نکل جا۔ اس کو اپنی مجلس سے بھگا دیا۔ اور جب بھگا دیا تو وہ کسی اور جگہ بیٹھ کر گمراہی کی دعوت دینے لگا اور اپنی ضلالت اور گمراہی کو پختہ کرنے لگا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ اس کا بھی درس ہو رہا ہے تو کچھ لوگ اس کے پاس بھی چلے گئے اور دنیا میں کہیں بھی کوئی شخص گمراہی لے کے اٹھے تو اس کے ساتھ آدمی مل ہی جاتے ہیں۔

۷۔ عمرو ابن عبید:

یہ بھی بصرہ ہی کا رہنے والا تھا اور واصل ابن عطاء کا شاگرد تھا۔ واصل جب امام حسن بصری کی درسگاہ سے نکل کر کسی اور جگہ بیٹھ کر گمراہی کی دعوت دینے لگا تو جو سرکردہ شخصیت اس کو مل گئی وہ عمرو ابن عبید تھا یاد رہے فرقہ معتزلہ کا بانی یہی شخص ہے۔

عمرو بن عبید واصل کا ہمنوا بن گیا۔ دونوں نے مل کر پھر تقدیر کا بھی انکار شروع کر دیا۔ ابھی تک تو مسئلہ گناہ کبیرہ کرنے والوں کو کافر کہنے کا تھا مگر آگے بڑھ کر تقدیر کا بھی انکار کیا۔

اس کا کہنا تھا اگر لوحِ محفوظ میں ''تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ'' لکھا ہو تو ابن آدم پر اللہ کی کوئی حجت نہیں رہ جاتی۔ اگر اللہ نے پہلے سے لکھ دیا ہے کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر تو اسے جہنم میں جانا ہی جانا ہے۔

تو پھر ہر آدمی کہے گا کہ اللہ نے میرے بارے میں لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے وہیں مجھے جانا ہے تو پھر عمل کر کے کیا کریں۔ اس لئے کہتا ہے، اس کے بعد اللہ کے پاس کوئی حجت باقی نہیں رہ جاتی اپنی مخلوق پر کہ تو نے برائی کیوں کی۔ وہ پلٹ کر کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تو نے لوح محفوظ میں لکھا تھا۔ یعنی وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے۔

یعنی وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق نہیں ہیں۔ اور اسی پر معتزلہ کے مذہب کی بنیاد ہے۔ اسے یہ شبہ ہو گیا کہ تقدیر کو ماننے کی صورت میں ہم مجبور محض ہو جاتے ہیں جیسے کسی کے ہاتھ پیر باندھ کے چھت پر سے ڈھکیل دو اور پھر پلٹ کے پوچھو کہ تم نے

کیوں ہاتھ پاؤں توڑ لیے، تو یہ سوال ہی غیر معقول ہوگا۔ ان کا خیال ہے کہ بندوں کے افعال کو اگر ہم مانتے ہیں کہ یہ سب لکھے ہوئے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو کہنے کا حق کیسے ہوگا کہ تم نے برائی کیوں کی، مثلاً تم نے نمازیں کیوں چھوڑی روزہ کیوں چھوڑا؟

تقدیر کے متعلق اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تقدیر اصل میں اللہ کا راز ہے جسے اس نے کسی کو بتایا نہیں ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا کس زمین پر موت آئے گی۔ مگر اللہ کہتا ہے ہم جانتے ہیں۔ اللہ نے بندے کو اختیار دیا ہے اس مطابق وہ کام کرے۔ اس نے بندے سے اختیار کو تو نہیں چھینا ہے ارادے کو تو نہیں چھینا ہے۔ حساب اسی کا ہوگا جو ظاہری طور پر سامنے ہے۔

خطا کار بندہ موت کے وقت کہتا ہے:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ [المومنون:٩٩-١٠٠]

یعنی اے رب ہمیں مہلت عطا کردے تا کہ دنیا میں جا کے نیک عمل کرسکوں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہے گا کہ اللہ تو نے تقدیر میں لکھا تھا ویسے ہی عمل کیا اب اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مطلب تقدیر کا بہانہ بنا کر عمل کرنے والے کی حجت اللہ کے نزدیک قائم نہیں ہو سکے گی لہٰذا تقدیر کا انکار ضلالت اور گمراہی ہے۔

یہی عمرو بن عبید ہے جس نے تقدیر کا انکار کیا اور قرآن کے مخلوق ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ دونوں مسائل معتزلہ فرقہ کے بنیادی مسائل میں سے ہیں۔ بالخصوص خلق قرآن کا مسئلہ جس نے حکومت وقت کو اپنا ہمنوا بنایا اور اہل سنت والجماعت پر بہت تشدد کیا گیا اس موضوع کے تعلق سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا تھا۔

فرقوں کا آغاز

جیسا کہ ذکر کیا گیا، گمراہیوں کو مختلف شخصیتوں نے انفرادی طور پر پہلے ایجاد کیا۔ پھر لوگوں کے درمیان اس کی اشاعت کی گئی۔ لیکن ان کے زمانے میں ان گمراہیوں نے فرقوں کی

شکل اختیار نہیں کی تھی۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ انھیں گمراہیوں نے فرقوں کی شکل اختیار کی اور پھر مخصوص گمراہی مخصوص فرقے کی علامت بن گئی۔ کچھ گمراہیاں تمام فرقوں کے درمیان مشترک ہوگئیں۔

گمراہ فرقوں میں سب میں پہلے وجود میں آنے والا فرقہ بحیثیت فرقہ وہ خوارج کا فرقہ ہے۔

اختلاف کے موضوع پر لکھنے والے مصنفین نے لکھا ہے کہ امت کے اندران بدعتوں کی جڑیں جو وجود میں آتی گئیں اور جو آتی جارہی ہیں ان سب کی جڑیں جا کے چار فرقوں سے ملتی ہیں۔

۱۔**خوارج**: یعنی مسلم حکام کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا

۲۔**روافض**: یعنی خلفائے راشدین کی خلافت کا انکار کرنے والے شیعوں کا فرقہ

۳۔**قدریہ**: یعنی تقدیر کے منکرین

۴۔**مرجیہ**: یعنی عمل کو ایمان سے الگ کرنے والے اور معصیت کو ایمان کے لیے مضر سمجھنے والے۔

یہی چاروں فرقے تمام گمراہ فرقوں کی اصل ہیں اور بنیادی طور پر تمام فرقوں کی جڑ ہیں۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں واقعات سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ سب سے پہلے وجود میں آنے والا فرقہ خوارج کا ہے اور اس کے بعد وجود میں آنے والا فرقہ روافض (شیعہ) کا فرقہ ہے۔

خارجی اور رافضی دونوں ہی فرقے کتاب وسنت اور منہج سلف سے ہٹ کر تشدد اور غلو کی پیداوار ہیں اور خبیث سیاست ان کی بنیاد ہیں۔ جب سے یہ دونوں فرقے وجود میں آئے تبھی سے سیاست کے میدان میں تھے لیکن آگے چلتے چلتے دونوں نے اپنا الگ وجود بنالیا جن کے اپنے اعتقادات ہیں، اور ان کی اپنی الگ عبادات ہیں اور اپنا الگ منہج اور الگ طریقہ ہے۔اور دونوں فرقوں میں جو قدرے مشترک امر ہے وہ تشدد اور غلو یعنی مبالغہ آمیزی ہے۔

۱۔فرقہ خوارج:

جیسا کہ بتایا گیا کہ تشدد اور انتہا پسندی یہ خوارج کا خمیر ہے اور غلو اور مبالغہ آرائی یہ روافض یعنی شیعوں کا خمیر ہے۔

اصطلاحی طور پر خوارج ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنہوں نے جنگ صفین کے موقع پر بغاوت کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے علیٰحدگی اختیار کی تھی۔ اس کے بعد ایمان اور کفر کے تعلق سے بہت سارے ایسے نظریات کے حامل ہو گئے جو کتاب وسنت اور سلف صالحین کے منہج سے ہٹ کے تھے۔

جنگ صفین کے نتائج:

یہ جنگ حضرت علی اور ان کے ساتھیوں اور حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کے درمیان مقام صفین کے درمیان ہوئی۔ یہ جنگ ٹالی جارہی تھی تا کہ مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی کو روکا جاسکے، لیکن افواہ اور غلط فہمیاں پھیلا کر دونوں کو آپس میں لڑا دیا گیا اور نتیجے میں مسلمانوں کا خوب خون خرابہ ہوا۔ آخر میں پھر کچھ لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ دونوں طرف سے اعلان کیا جائے کہ ہم صلح چاہتے ہیں اور اس کے لیے دونوں طرف سے حکم مقرر کر لیا جائے پھر دونوں مل کر جو فیصلہ کریں وہ دونوں فریق مان لیں گے چنانچہ اسی پر سب متفق ہو گئے۔

علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حکم مقرر ہوئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ حکم مقرر ہوئے۔ دونوں بیٹھے صلح کر رہے تھے مگر کچھ لوگوں نے پھر غلط فہمیوں اور افواہوں کے ذریعہ صلح کی اس کوشش کو ناکام بنانے کی دوڑ میں لگ گئے۔

چنانچہ تحکیم یعنی مصالحت کے لیے جب دونوں فریق راضی ہو گئے اور حکم متعین ہو گئے تو اسی بیچ میں علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ آدمیوں کو کیوں حکم بنا رہے ہو؟

جب کہ طے یہ ہوا تھا کہ قرآن کو حکم یا فیصلہ مانا جائیگا پھر آدمیوں کو کیوں حکم بنایا گیا؟

اللہ تعالیٰ قرآن میں کہتا ہے ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط ''یعنی حکم تو اللہ کا ہونا چاہیے۔ تو پھر علی نے آدمیوں کو کیوں حکم بنایا؟ یہ قرآن کو منہج سلف پہ نہ سمجھنے کا انجام تھا۔

جیسا کہ بتایا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے کچھ لوگ یہ اعتراض کر کے باہر نکل گئے کہ قرآن کو چھوڑ کر آدمیوں کو کیوں حکم بنایا۔ کہا فیصلہ اللہ کا ہونا چاہئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت ہی تشویش میں مبتلا ہو گئے اور اس جملے پر جو انھوں نے کہا تھا ''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ'' کہا'' کلمت الحق ویرید بہا باطل''۔ یعنی کلمہ تو حق ہے کیوں کہ یہ قرآن کا کلمہ ہے۔ مگر اس کے پیچھے جو ارادے ہیں وہ باطل ہیں۔ کیونکہ ہر باطل کے پیچھے یا تو سوء فہم (کم علمی) ہوگی یا سوء ارادہ (بدنیتی)۔ یہاں پر کم علمی ہے، انھوں نے قرآن کی آیت کو غلط سمجھا اور اس آیت کو وہاں لا کے رکھ دیا جہاں مسلمان صلح کرنے کے قریب پہنچ چکے تھے اور جنگ ختم ہونے کو تھی۔

بہر حال وہ اپنے ضد اور ہٹ دھرمی پہ قائم رہے اور کہا ہم جنگ کریں گے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو چیلنج کیا اور کہا ہم دونوں کو ماریں گے۔ دونوں کو کافر کہا کیوں کہ (ان کی نظر میں) دونوں نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر انسانوں کو حکم بنا دیا ہے لہٰذا دونوں نے بھی کفر کیا۔ یہیں سے خوارج کی بنیاد پڑ گئی۔ سنن ابوداؤد کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس جماعت کے بارے میں پیشگوئی کا ذکر ہے۔ آپ نے اپنے صحابہ سے مخاطب ہو کر ان خوارج کے بارے میں بیان کیا تھا کہ وہ بہت عبادت گزار ہونگے۔ رات رات نمازیں پڑھیں گے، روزے رکھیں گے، قرآن پڑھیں گے، مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہاں تک فرمایا کہ یہ جہنم کے کتے (dogs) ہیں۔ تم انھیں جہاں پاؤ قتل کرو۔ کیونکہ یہ باغی ہیں اور امت مسلمہ کی صف کو کاٹنا چاہتے ہیں اور ان کے اندر اختلاف کا فتنہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

بہر حال اس میں بہت لمبی روایتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں تھے، انہوں نے جا کر ان لوگوں کو سمجھایا، ان سے مناظرے کئے جس کے نتیجے میں ان میں سے کچھ لوگ توبہ کر کے حضرت علی کی فوج میں دوبارہ شامل ہو گئے۔ مگر کچھ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور حضرت علی سے جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے مقام نہروان پر جنگ کی اور یہ جنگ بڑی شدید جنگ تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج

نے بہت سے باغیوں کو قتل کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ اپنی جان بچا کے بھاگ گئے۔

اس واقعے کے بعد یعنی واقعہ نہروان کے بعد ان باغیوں نے کہا کہ اب جو بڑے رہنما ہیں انھیں نشانہ (target) بنایا جائیگا، انھیں مار دیا جائیگا۔ انھوں نے حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کو قتل کرنے کی سازش رچی، جن میں وہ صرف حضرت علی کو قتل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے فجر کی نماز کے وقت زہریلے خنجر سے وار کر کے انھیں شہید کیا۔ حضرت علی کو شہید کر کے وہ یہی سمجھتے رہے کہ انھوں نے بہت بڑا دینی فریضہ انجام دیا ہے۔ اس کی وجہ ان کے نظریے کے مطابق یہ تھی کہ حضرت علی نے اللہ کو چھوڑ کے انسان کو حکم بنایا اس لئے کفر کیا۔ اسی لئے اکثر فرقوں کی گمراہی کا سبب سوءِ فہم اور قرآن کو منہج سلف پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تو یہ ہے خوارج کا مختصر پس منظر اور ان کی حقیقت۔

بعد میں انھوں نے ایک اپنی مستقل شناخت قائم کی اور اس کے لئے اپنے الگ افکار و نظریات بنائے، عقیدے گھڑے اور الگ اصول وضع کیے۔

ان شاء اللہ اس کے بعد ہم خوارج کا منہج اور ان کے عقائد کے بارے میں جاننے کی کوشش کرینگے۔

خوارج کے عقائد اور ان کا منہج

اب ہم خوارج کے امتیازی مسائل پر روشنی ڈالیں گے جب یہ فرقہ کی شکل اختیار کر گئے۔ ویسے یہ ساری گمراہیاں ایک ہی ساتھ نہیں آئی ہیں بلکہ بتدریج وجود میں آئی ہیں۔ دیکھتے ہیں وہ گمراہیاں کیا ہیں:

۱۔ خلفائے راشدین میں شیخین یعنی ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کو چھوڑ کر باقی تمام خلفاء بشمول خلیفہ راشد عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب اور معاویہ رضی اللہ عنہم کے تکفیر کے قائل ہیں۔ ان سب کی تذلیل کرتے ہیں اور سب کو گمراہ سمجھتے ہیں۔

۲۔ جنگ صفین سے تحکیم کے ذریعہ جو مصالحانہ کوششیں کی گئیں اس سے جو راضی ہو اور اس موضوع کو صحیح کہے وہ ان کی نظر میں کافر ہے۔

۳۔ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا ان کی نظر میں کافر ہو جاتا ہے۔ اگر اسی پر مر گیا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے صفات کے تعلق سے معتزلہ کے مذہب سے قریب تر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے کی تاویل کرتے ہیں اور اشاعرہ کی طرح اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

۵۔ امت کے گنہگاروں کے لیے شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں گنہگار کی شفاعت ویسے ہے جیسے مجرم کو بری قرار دینا۔ ان کی نظر میں مجرم کو سزا ضرور ملنی چاہئے۔

۶۔ جنت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت (دیدار) کا بھی انکار کرتے ہیں۔ یہی معتزلہ کا بھی عقیدہ ہے۔

۷۔ برزخی زندگی میں عذاب قبر کے منکر ہیں۔ کہتے ہیں دنیا اور آخرت ہے بس، بیچ میں کچھ نہیں ہے۔

۸۔ فاسق و فاجر حاکم کے خلاف بغاوت کر کے اس کو معزول کر کے اس کی جگہ صالح حاکم کا انتخاب یہ ان کے بنیادی مسائل میں داخل ہیں۔ یعنی جائز نہیں ہے کہ امت اپنے اوپر کسی فاسق و فاجر حکمران کو قبول کرے۔ اسی لئے بغاوت کو جائز قرار دیا تھا۔ اس کے برخلاف اہل سنت و جماعت کا کیا عقیدہ ہے آئیں ہم ملاحظہ کرتے ہیں۔

حکام سے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ

اس سے پہلے حکام سے متعلق خوارج کا عقیدہ بیان کیا گیا۔ اس کے برخلاف اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ حاکم ظالم ہو، جابر ہو، فاجر ہو، فاسق ہو، یہ اس کا اپنا مسئلہ ہے۔ ہمیں امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے امیر کی اطاعت کی جائیگی جب تک اس سے واضح کفر سرزد نہ ہو۔ ایسا

کفر ہو جس میں تاویل کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو۔ایک روایت میں ہے کہ وہ جب تک نماز پڑھنے کی اجازت دیں، اس وقت تک حاکم کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے ، جو حکام کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور ملک میں فساد کا اور انارکی کا سبب بنتے ہیں اور مسلمانوں کے امن و استحکام کو ختم کرنے کی سازشیں کرتے رہتے ہیں وہ خوارج ہیں یا اس مسئلہ میں خوارج کے ہم خیال ہیں۔

خوارج کا وجود آج بھی ہے لیکن اپنے آپ کو کوئی خارجی نہیں کہتا کیونکہ خارجی ایک گمراہ فرقہ کی صفت ہے۔لیکن اپنے کسی پیشوا کے نام پر نام رکھ لیا۔جیسے اباضیہ ازارقہ وغیرہ۔ کہا جاتا ہے اباضی خوارج میں یہ معتدل فرقہ ہے۔ازارقہ ایک فرقہ تھا۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فرقے ہیں جن کا ظاہری طور پر وجود تو نہیں ہے مگر ان کے افکار و نظریات کا وجود مختلف جگہوں پر دیکھنے کو ملتا ہے۔

آج عالم عرب میں جو بغاوتیں ہوئی ہیں جس کو کہا گیا ربع عربی یعنی عربی بہار یا انقلابات۔ان کے پیچھے بھی فکر خوارج ہے۔ابھی تک سب خاموش تھے۔وہی حاکم تھا جو اس سے پہلے تھا اس کے خلاف کبھی بغاوت نہیں ہوئی۔جب بغاوت شروع ہوئی، ایک ملک سے شروع ہوئی تو انھیں لوگوں نے دوسرے ملک کے لوگوں کو بھڑکایا اور پھر تیسرے اور چوتھے ملک کو بھڑکایا اور نتیجہ کچھ بھی نہیں۔یعنی جس مقصد سے بغاوت کی گئی کہ اسلامی حکومت قائم کی جائیگی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔

آخر میں یہی ہوا کہ جمہوریت چاہیے، ملازمت چاہیے، نوکری چاہیے۔اور امن و استحکام سب ختم ہو گیا۔

یہ سب مسائل کھڑے کئے گئے خارجی فکر رکھنے والوں کی طرف سے اور عوام کو بھڑکا کر کے معاشرے میں بدنظمی اور بدامنی پیدا کی گئی۔آج مسلمانوں کے کچھ ممالک انھیں عناصر کی وجہ سے بدامنی اور بدنظمی کی لپیٹ میں جل رہے ہیں۔اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

۲۔فرقہ شیعہ

دوسرا فرقہ جو سیاست کی زمین سے اُگا ہے وہ ہے شیعوں کا فرقہ یا رافضی فرقہ۔شیعہ کا

لغوی معنی ہے ہمنوائی کرنا اور اصطلاحی معنی میں شیعہ اس فرقے کو کہتے ہیں جو علی رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت اور امت مسلمہ کی امامت کے لئے زیادہ حقدار سمجھتا ہو یا انھیں کو تنہا حقدار سمجھتا ہو۔ یعنی ان میں بھی دو فکر ہیں۔ ایک فکر یہ کہ وہ زیادہ حقدار تھے اور دوسری فکر یہ کہ وہی حقدار تھے دوسرا کوئی حقدار نہیں۔

اس فرقے کے وجود میں آنے کا پس منظر کیا ہے؟ جیسا کہ اس سے پہلے بتایا گیا تھا کہ عبداللہ بن سبا جو ایک یہودی تھا اس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھا اور اس کی آڑ میں مسلمانوں کی وحدت کو پارا پارا کرنے کی سازشیں کی، اسی نے اس فکر کو ہوا دی۔ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس کے بعد اس کے نتیجے میں ہونے والی جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ نہروان جیسی خانہ جنگی نے امت کے اندر اور بھی انتشار پیدا کر دیا۔ اور عبداللہ بن سبا نامی یہودی شخص نے اس خیال کو فتنے کی شکل دینے کی ٹھان لی اور اس نے بہت ساری در پردہ سازشیں کیں اور اپنی ناپاک سازشوں میں کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔ نتیجے میں امت کے اندر افتراق اور انتشار کی راہیں کھلتی گئیں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ۔ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس کے بعد کربلا میں حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت جن دردناک صورتوں میں پیش آئیں ان دونوں واقعات نے سیاست کے اس فتنے کو بہت زیادہ ہوا دی اور جس کی وجہ سے یہ فتنہ کافی زور پکڑ گیا اور ایک جذباتی مسئلہ بن گیا۔

یعنی اہل بیت سے وفاداری کا اہم مسئلہ اور حکومت کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے کا مؤثر نعرہ ثابت ہوا۔ ظاہر ہے اہلِ بیت سے وفاداری تو ہر مسلمان کو ہے، بلکہ یہ تو جزوِ ایمان ہے، اس لئے اس نعرے نے سیدھے سادے اور کم علم مسلمانوں کو فتنے کی زد میں لے لیا اور پھر یہ فتنہ بڑھ کر ایمان اور عقیدے میں اختلاف کا سبب بن کر مسلمانوں میں فرقہ بندی کی شکل اختیار کر گیا۔

اہل بیت سے وفاداری اور محبت کے نام پر شیعہ کے علاوہ کچھ لوگوں نے اہل سنت کی صفوں سے نکل کر بعض صحابہ کرام سے دشمنی ظاہر کر کے اہل سنت کے منہج سے دوری بنالی چنانچہ کچھ ایسے نادان اور بے بصیرت لوگ ہیں جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہیں اور یزید پر

لعنت کرتے ہیں۔ حالانکہ ابتدا میں یہ سب دینی تحریکیں نہیں تھیں بلکہ مسلمانوں کی سیاسی خانہ جنگی کے نتیجے میں مختلف نقطۂ نظر تھے۔ مگر دھیرے دھیرے لوگ ایمان وعقیدہ کی صراط مستقیم اور منہج سلف سے دور ہوتے گئے اور پھر کربلا کا واقعہ پیش آنے کے بعد شیعہ کے نام سے ایک فرقہ وجود میں آیا جسے اہلِ سنت نے رافضہ کا لقب دیا رافضہ کا معنی انکار کرنے والا گروہ، علی رضی اللہ عنہ سے قبل تینوں خلفائے راشدین کی خلافت کے انکار کرنے کی وجہ سے اس لقب کے مستحق ہوئے۔

اور پھر شیعوں میں بھی کئی فرقے بتدریج وجود میں آگئے، ان میں ایک فرقہ زیدیہ ہے جو یمن میں پایا جاتا ہے یہ لوگ اہل سنت سے سب سے زیادہ قریب تھے مگر مکمل طور پر اہل سنت کے منہج پر نہیں ہیں۔

زیدی فرقہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم کرتا ہے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے برات اور بدظنی کا اظہار کرتے ہیں۔

فرقہ شیعہ میں جو سب میں زیادہ ظہور پذیر ہونے والا فرقہ ہے وہ "اثناء عشریہ" فرقہ ہے جو بارہ امام کو امام مانتا ہے۔ ان بارہ اماموں کی ابتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے اور آخری امام حسن عسکری ہیں جن کے بارے میں ان کا اعتقاد ہے کہ وہ سامرا کے غار میں چھپ گئے ہیں، قیامت کے قریب جب شیعوں کی طاقت خوب مضبوط ہوگی تب آئیں گے اور لوگوں کی قیادت کریں گے تب پھر اہلِ بیت کی حکومت قائم کریں گے۔ یہی حسن عسکری ہیں جنھیں شیعہ امام غائب کے نام سے بھی جانتے ہیں۔

شیعوں کے بنیادی عقائد کا خلاصہ:

۱۔ عقیدہ امامت: یعنی اللہ تعالیٰ نے امت کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے انبیاء اور رسولوں کی طرح اماموں کو بھی اختیار فرمایا ہے جو صرف اہل بیت سے ہی ہونگے۔

۲۔ امام معصوم ہیں: دوسرا عقیدہ ہے کہ یہ سارے امام معصوم ہیں۔ ان کی عصمت پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا ہے۔ نبی کو تو کچھ کہہ بھی سکتے ہو مگر اماموں کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ان کے

وہاں امام کا رتبہ نبی سے بڑھ کے ہے۔حتیٰ کہ خمینی نے لکھا ہے ''ہمارے اماموں کا وہ مقام ہے جہاں تک کوئی نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا ہے اور کوئی مقرب فرشتہ بھی پر نہیں مار سکتا۔''

۳۔تقیہ: تقیہ ان کا تیسرا بنیادی عقیدہ ہے، تقیہ کا لغوی معنی ہے چھپانا۔شیعوں کی اصطلاح میں تقیہ کا معنی ہے اہل سنت سے اور اہل مخالف سے اپنے عقیدہ عداوت کو چھپاؤ اور ظاہر نہ کرو جس کی بنیاد پر وہ ابوبکر عمر وعثمان رضی اللہ عنہم اور جمہور صحابہ کرام اور تمام اہل سنت کی تکفیر کے قائل ہیں۔اسی طرح جو ان کا قرآن کے متعلق عقیدہ ہے اس کو بھی چھپاؤ، لوگوں کو نہیں بتاؤ۔اپنے ہی درمیان اسے رائج رکھو اور صحابہ کے متعلق جو ان کے رسوا کن عقیدے ہیں ان کو بھی اہل سنت سے چھپاؤ انھیں کتابوں تک ہی محدود رکھو اسے بیان نہ کرو۔تقیہ سے متعلق یہ سب باتیں ان کی کتابوں میں لکھی ہیں۔

تقیہ کا یہ اصول حقیقت میں نفاق پر مبنی ہے، منافقت سے ہی یہ عقیدہ وجود میں آیا۔ چنانچہ مکمل فرقہ شیعہ نفاق ہی سے وجود میں آیا ہے۔

۴۔بارہ امام :۔بارہویں امام کے غائب ہو جانے کا عقیدہ : بارہویں امام ہی سے متعلق مہدیت کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

مہدی کا عقیدہ تو اہل سنت کا بھی ہے کہ قیامت سے پہلے مہدی ظاہر ہوں گے۔ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہوں گے اور انھیں کے نام پر ہوں گے۔ محمد بن عبداللہ ان کا نام ہوگا۔لیکن ہمارا اعتقاد یہ نہیں ہے کہ وہ امام معصوم ہوں گے بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ ایک مصلح ہوں گے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے ذریعہ دنیا سے شر و فساد ظلم وستم کی صورت حال کو ختم کر کے عدل وانصاف اور امن وامان اور خوشحالی کی صورت حال پیدا کر دے گا اور جب ظاہر ہوں گے تو علمائے اہل سنت والجماعت کی قیادت کریں گے۔

جبکہ شیعہ اپنے امام کے بارے میں سمجھتے ہیں کے یہ محمد بن حسن العسکری ہیں جو غار میں چھپے ہوئے ہیں اور ان کے بارے میں عقیدہ ہے کہ یہی آخری امام ہیں اور وہی سب کچھ ہیں۔ یہ قیامت سے پہلے آئیں گے اور جب آئیں گے تو اپنے دشمنوں کو زیر کریں گے اور ان سب کا خاتمہ کریں گے۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اپنے مخالفین کے ظلم وزور سے

بھاگ کے چھپ گئے ہیں۔

اصل میں جتنے بھی باطل فرقے ہیں وہ سب تناقض کا شکار ہیں۔یعنی اپنے ہی باتوں سے اپنا باطل ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ایک جگہ کہتے ہیں اپنے مخالفین کے ظلم وجور سے بھاگ کے چھپ گئے ہیں اور دوسری جگہ کہتے ہیں جب آئیں گے تو اپنے دشمنوں کو زیر کریں گے اور ان سب کا خاتمہ کریں گے۔تو جب اتنے دلیر اور طاقتور ہیں تو چھپنے کی کیا ضرورت تھی۔ پہلے ہی اپنی طاقت سے دشمنوں کا خاتمہ کر دیئے ہوتے۔سبحان اللہ۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔

۵۔عقیدۂ رجعت : ان کا پانچواں بنیادی عقیدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مر کر پھر دوبارہ زندگی پانے والے ہیں۔جس میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اماموں کے رجعت کے قائل ہیں کہ وہ سب واپس آئیں گے۔وہ مرے نہیں ہیں بلکہ روپوش ہو گئے ہیں۔آج اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہنے والے بھی اپنے بزرگوں کے بارے میں موت کا لفظ ہی استعمال نہیں کرتے۔کہتے ہیں حضرت جی کا فلاں تاریخ کو وصال ہو گیا، رحلت فرما گئے، پردہ فرما گئے۔جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بارے میں فرمایا:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ [الزمر:۳۰]

اے نبی بیشک آپ کو موت لاحق ہونے والی ہے اور دیگر لوگوں کو بھی مرنا ہے۔

غور کا مقام ہے کیا وہ شخصیتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مقدس ہو گئیں جن کے ساتھ موت کا لفظ ہی نہیں بول سکتے !! حقیقت یہ ہے کہ یہ سب گمراہی کے اسباب ہیں۔

۶۔اللہ تعالیٰ کے حق میں بداءت کا اعتقاد رکھنا: یہ ان کی چھٹی بدعقیدگی ہے اور بڑی خطرناک گمراہی ہے بداءت کا مطلب ہے کسی چیز کا ایک عرصہ تک مخفی ہونے کے بعد معلوم ہونا، مخلوق کے بارے میں تو یہ عین ممکن ہے خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس طرح کا عقیدہ کفر ہے لیکن شیعہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی یہ ہو سکتا ہے۔ معاذ اللہ۔ان کے اعتقاد کے مطابق اللہ تعالیٰ جو فیصلے کرتا ہے اس میں بعض فیصلوں کے

بارے میں اسے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ اس فیصلے کو ایسا نہیں ہونا چاہئے، والعیاذ باللہ۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اس عقیدے کو ایمان باللہ کے عقیدے کے ساتھ بنیادی عقیدے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں یہ یہودیوں کا عقیدہ ہے۔

چنانچہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ فلاں کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ افسوس کر رہا تھا کہ کیوں اس کو پیدا کیا!! اگر پہلے ہی جانتا کہ فلاں شخص حضرت علی اور حضرت حسین کو قتل کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کو پیدا ہی نہیں کرتا۔ اس کو بعد میں پتہ چلا کہ یہ قاتل ہوگا ان دونوں شخصیات کا۔

بنیادی طور پر یہ سب کفریہ عقائد ہیں اور ان عقائد کے پیچھے مقصد کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہونے کا اعلان کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مدح میں آیات نازل کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرمائی ہے جبکہ شیعہ ان سب کی تکفیر کرتے ہیں اس لیے عقیدہ گھڑنا پڑا چنانچہ کہتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ نے اس وقت کہا تھا جب اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ سب بعد میں کافر ہو جائینگے۔ والعیاذ باللہ

۷۔ قرآن کے ناقص ہونے کا عقیدہ: قرآن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ یہ قرآن ناقص ہے اور پورا قرآن محفوظ نہیں ہے۔ یہ بھی ان کے منجملہ گمراہی میں بہت بڑی گمراہی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کے حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اور قرآن کریم میں آیت نازل کی ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۹ [الحجر:۹]

یعنی بیشک ہم نے ہی قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

۸۔ قرآن کی معنوی تحریف: قرآن کے تعلق سے ان کی ایک بڑی گمراہی قرآن کی معنوی تحریف ہے کیونکہ لفظی تحریف تو کر نہیں سکے کیونکہ پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ یہی قرآن ہے جو اللہ نے اپنے نبی پر نازل کیا۔ یہی قرآن ہے جسے صحابہ پڑھتے تھے اور تابعین، تبع تابعین اور ساری امت کا اس پر اتفاق ہے۔ اس لئے قرآن کی معنوی تحریف میں

ان کی مذموم کوششیں جاری ہیں، جمہور علمائے سلف کی تفاسیر سے ہٹ کر ان کے یہاں قرآن کی الگ تفسیر ہے عموماً یہ کہتے کہ اس کا ظاہر مراد نہیں ہے بلکہ اس کا باطن مراد ہے۔ اور دعویٰ ہے کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے جو سبھی لوگ جانتے ہیں۔ اور ایک باطن جو صرف ہمارے علماء جانتے ہیں، عام لوگ وہاں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

اور صوفیاء (sufis) بھی یہی کہتے ہیں۔ کہتے ہیں دین کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے۔ ظاہر تو سبھی لوگ جانتے ہیں۔ باطن وہ لوگ جانتے ہیں جو عارف باللہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کہتے ہیں اگر کسی کو نماز نہیں پڑھتے ہوئے یا ظاہری شریعت پر عمل نہیں کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے متعلق بدگمانی مت کرو کیونکہ وہ عارف باللہ ہوسکتا ہے اور جو کام آپ ظاہر میں انجام دے رہے ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ باطن میں انجام دے رہا ہو۔ تم مسجد میں جا کے نماز پڑھتے ہو، ہوسکتا ہے اس کا دل نماز پڑھ رہا ہو۔ اس کا مسجد میں جانا ضروری نہیں ہے اس کی روح اللہ کی عبادت میں مصروف رہتی ہے۔ یہ سب گمراہیاں اسی کا نتیجہ ہے۔

۹۔ متعہ کے جواز کا عقیدہ: متعہ کا مطلب ہے عارضی نکاح اسے نکاح بھی نہیں کہیں گے بلکہ عارضی ایگریمنٹ کہیں گے جو مخصوص وقت کے لئے، چاہے چند گھنٹے چند دن یا چند ماہ وغیرہ کے لئے ہوتا ہے۔ اور وقت مکمل ہونے کے ساتھ ہی وہ ایگریمنٹ خود بخود ختم ہو جاتا ہے طلاق کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

اصل میں متعہ زنا کی ایک شکل ہے جسے شریعت مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے مگر ان کے علماء نے اس کو حلال قرار دیا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ ابتداء اسلام میں اسے حرام نہیں کیا گیا تھا لیکن جنگ خیبر کے موقع پر اسے ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔ اور اس کی حرمت پر اہل سنت کا اجماع ہے لیکن شیعہ کا مذہب ہے کہ متعہ اب تک حلال ہے۔

اس کے لئے انھوں نے بڑی فضیلتیں بھی وضع کی ہیں کہ جب کوئی انسان نکاح متعہ کرتا ہے اور اس کے بعد غسل کرتا ہے تو اس پانی کے ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک اس کے لیے دعا کرتا رہتا ہے۔ اور متعہ سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ ولی

ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

علماء سنت کہتے ہیں ان لوگوں نے جب نبی کی محبوب ترین زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیتے ہوئے ان پر متعہ کی لعنت کو مسلط کر دیا تاکہ قیامت تک ان کی بیویاں اور بیٹیاں زنا کرتی رہیں اور کبھی پاکیزہ نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ [الشوریٰ:۳۰]

یعنی تمہیں جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے۔

شیعہ کے اپنے کرتوت کی وجہ سے اللہ نے ان پر متعہ جیسی لعنت مسلط کی ہے۔

فرقہ خوارج اور شیعت کی مشترکہ گمراہیاں:

۱۔ دونوں فرقے امت مسلمہ کے اندر افتراق اور انتشار کے ماحول میں سوادِ اعظم سے علیحدگی اختیار کرنے کے نتیجہ میں وجود میں آئے تھے۔

۲۔ غلو یعنی انتہاء پسندی اور مبالغہ آرائی ان دونوں کی مشترکہ گمراہیاں ہیں۔

خوارج کا غلو دین پر عمل کرنے سے متعلق ہے، چنانچہ ظاہری دینداری میں غلو آمیز اور شدت پسند رویہ اختیار کرنا اور گناہ کبیرہ میں ملوث انسان پر فوری طور پر کفر کا فتویٰ لگانا اور ان کے خلاف اعلان جنگ کرنا یہ خوارج کا امتیاز ہے۔

اور شیعوں کا غلو اپنے ائمہ سے متعلق ہے، مثلاً انہیں معصوم سمجھنا، ان کی ذات کے ساتھ جھوٹی باتیں وضع کرنا، انھیں بشریت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر پہنچا دینا جس کے نتیجے میں شرک و بدعات اور اوہام پرستی کی راہ ہموار ہوتی ہے چنانچہ یہ ساری گمراہیاں اس فرقے کی نمایاں پہچان ہے۔ اور انھیں سے غلو آمیز نظریات کے حامل صوفیوں نے لیا ہے۔

۳۔ کتاب وسنت اور منہج صحابہ سے دونوں ہی دور ہیں جس کے نتیجے میں دونوں فرقوں میں جہالت اور فقہی بصیرت کا فقدان پایا جاتا ہے۔

۴۔اپنے مخالف یا جمہور امت مسلمہ اور ائمہ مسلمین کے خلاف بغاوت کو جائز قرار دینا اور بعض حالات میں واجب سمجھنا اگر چہ کتاب وسنت اور اجماع امت سے اس کے جواز کی کوئی دلیل نہ ہو تب بھی یہ دونوں فرقے مسلم حکام کے خلاف بغاوت کو جائز سمجھتے ہیں۔

۵۔اپنے مخالف کی تکفیر کرنا اور ان کے مال وجان اور ان کی عزت وآبرو کو اپنے لئے حلال سمجھنا یہ دونوں فرقوں میں قدر مشترک ہے۔

لیکن سبب تکفیر دونوں میں الگ الگ ہے۔خوارج اپنے مخالف کو اس لئے کافر کہتے ہیں کہ وہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ ہیں۔

شیعہ اپنے مخالف کی تکفیر اس لئے کرتے ہیں کہ وہ آل بیت کی خلافت کے برخلاف حضرت ابوبکر،عمر،عثمان کی خلافت کو تسلیم کرتے ہیں اور اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

۶۔جمہور امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے اور ان کے خلاف دشمنان اسلام کو تقویت دینے میں امت کی تاریخ میں بالواسطہ یا بلا واسطہ ان دونوں فرقوں کا ہاتھ رہا ہے۔تاتار کا فتنہ ہو،یا صلیبی جنگیں ہوں، یا پھر استعمار واحتلال کے واقعات ہوں سارے واقعات میں امت کی تاریخ میں بالواسطہ یا بلا واسطہ ان دونوں فرقوں کا کردار رہا ہے۔ بغداد میں خلافت بنو عباسیہ کے زوال کے پیچھے شیعوں کا سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے۔اور اس دور میں بھی عراق کی سنی سلطنت کے زوال اور شیعہ حکومت کے عروج کے پیچھے بھی انھیں کا ہاتھ ہے۔

۷۔غیر مسلموں کی نظر میں اسلام کا خوبصورت چہرہ اور اعتدال پسندی پر مبنی اسلامی شریعت کو بگاڑنے میں ان دو فریقوں کا ہاتھ رہا ہے۔آج یورپ اور امریکا میں انھیں خوارج نے جا کر ایسا رخ اپنایا جس کی وجہ سے اسلام کا نام سن کر وہاں پر لوگوں کے دلوں میں نفرت طاری ہو جاتی ہے۔

اسی طرح شیعوں نے اپنی اوہام پرستی سے اسلام کی غلط تصویر پیش کی ہے۔شیعہ جب عاشورہ کا ماتم کرتے ہیں تو اس پر کافر بھی ہنستا ہے کہ یہ کونسا دین ہے۔ اسلام میں شیعہ رافضہ کے علاوہ کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جو مخالف کو گالی دینے اور خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے آپ کو مارنے اور کاٹنے کو کارِ ثواب سمجھتا ہو۔

۳۔ فرقہ ناصبیہ یا نواصب:

شیعیت کے مقابلے میں ایک اور فکر اور نقطہ نظر وجود میں آیا جسے نواصب کہا جاتا ہے۔ نواصب فرقہ ردعمل کی طور پر وجود میں آیا تھا، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے عداوت کا اظہار کیا۔ ناصبی کا مطلب ہے کسی چیز کو نصب کر لینا یا گاڑ لینا۔ اصطلاح میں ناصبی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اہل بیت سے بغض و عداوت رکھتا ہو۔

علماء اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے کہ صحابہ کرام اور آل بیت سے محبت جزوِ ایمان ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ:

ایک مرتبہ ملک شام میں جس وقت شیعہ نواز حکومت قائم تھی تو مخالفین میں سے کسی نے جا کر حکومت وقت سے شکایت کی کہ یہ ابن تیمیہ رحمہم اللہ اہلِ بیت سے دشمنی رکھتا ہے۔ اسے بلا کے آل بیت کے بارے میں پوچھ لو۔ جب حاکم نے ابن تیمیہ سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ''کون کہتا ہے؟ ہمارے یہاں تو آل بیت سے محبت جزوِ ایمان ہے۔ ہماری نماز مکمل نہیں ہے جب تک ہم آل بیت پر رحمت کی دعا نہیں کرتے۔ اور درود ابراہیمی پڑھ کر سنایا، اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد .... مکمل درود ابراہیم پڑھ کر سنایا۔ حاکم نے جب سنا تو کہا تجھ پر جھوٹ بولا گیا ہے اور انہیں بری کر دیا۔ اور حقیقت میں یہ جھوٹ ہے کہ کوئی بھی مسلم کوئی بھی سنی اپنی زبان پر اہل بیت کے خلاف گستاخی کے کلمات بھی نہیں لا سکتا ہے۔ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہ آپ کی اولاد کے بارے میں نہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اور نہ کسی مؤمن کے بارے میں جن کا تعلق اہل بیت سے ہو۔

یہاں پر یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک صحابہ کے تعلق سے یہ جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ایک سے محبت ہو اور دوسرے سے بغض یہ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ اور منہج نہیں ہے بلکہ ہم سب سے محبت رکھتے ہیں، محبت میں تفاوت ہو سکتا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص میں سببِ حب اور سببِ بغض دونوں اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اصل تو یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے محبت کرے۔ اس کے

باوجود یہ ہوسکتا ہے کہ ایک مسلمان ایک زاویے سے اس سے محبت کرے اور دوسرے زاویے سے نفرت کرے۔ جو زاویہ دین وایمان اور تقوی کا ہے، تو اس زاویے سے قابل محبت ہے۔ لیکن اس کے اندر اگر کوئی عیب ہے، مثلاً شراب پیتا ہے، یا اور کسی برائی میں ملوث ہو تو یہ اس کی معصیت ہے اور یہ معصیت کا پہلو قابلِ محبت نہیں ہے۔ اس لئے دونوں چیزیں ایک شخصیت میں جمع ہوسکتی ہیں۔ ایک زاویے سے قابل محبت ہے اور دوسرے سے قابل نفرت ہے۔

رہا اہلِ بیت کا مسئلہ، تو اہلِ بیت سے عداوت وبغض یہ اہل سنت والجماعت کے منہج سے ہی خارج ہے۔ بلکہ اہل بیت سے وفاداری اور صحابہ کرام سے وفاداری یہ جزوِ ایمان ہے۔ اس لئے جن لوگوں نے بھی اہل بیت سے عداوت کا اظہار کیا وہ منہج سلف سے خارج ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے متعلق مسائل میں اختلاف سے وجود میں آنے والے فرقے:

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے کئی فرقے وجود میں آئے جن میں بنیادی طور پر تین فرقے تھے۔

۱۔معتزلہ، جو سب سے پہلے وجود میں آئے۔

۲۔اشاعرہ، جو معتزلہ کے بعد وجود میں آئے۔

۳۔ماتریدیہ، جو تقریباً اشاعرہ کے ساتھ ہی وجود میں آئے۔

یہ تینوں فرقے فلسفہ ومنطق کی بنیادوں پر وجود میں آئے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ جب فلسفہ اور منطق کا ترجمہ ہوا تو رائے اور کلام آپس میں مل گئے۔ یعنی دونوں کا آپس میں فکری اندماج ہوا جس کے نتیجے میں اہل رائے پر کلام غالب آگیا اور اہل کلام پر رائے غالب آگئی، اور عقلیت پسندی دونوں کا خمیر بن گئی اس طرح دونوں اپنے منہج میں سلف کے منہج سے دور ہوگئے۔

۴۔ فرقہ معتزلہ

معتزلہ کا مختصر تعارف:

اعتزال کے لفظی معنی ہیں علیٰحدہ ہونا یا الگ ہوجانا۔

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ کچھ شخصیتیں ایسی گزری ہیں جنھوں نے ضلالت کے بیج بوئے۔ انھوں نے خود کوئی فرقہ نہیں بنایا مگر ضلالت کے بیج بو کر دنیا سے چلے گئے۔ معتزلہ کی اصل بیج جس نے ڈالی تھی وہ واصل ابن عطاء تھا۔ واصل، امام حسن بصری کے وعظ و نصیحت کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا جو تابعی تھے، وقت کے بڑے امام تھے، ان سے وہ استفادہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے امام بصری سے گناہ کبیرہ کے متعلق سوال کیا کہ گناہ کبیرہ کرنے والے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ امام بصری نے منہج سلف بیان کیا کہ گناہ کبیرہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے۔ چاہے جتنا بڑا گناہ ہو جیسے قتل، زنا، سود وغیرہ جب تک وہ گناہ کفر اور شرک تک نہ پہنچے، تو کفر و شرک کے علاوہ جتنے بھی گناہ کبیرہ ہیں انھیں اللہ تعالیٰ چاہے تو اس گناہ کی سزا دے یا اسے معاف کر دے۔ یا کچھ گناہ کی سزا دے اور کچھ کو معاف کرے سب اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی نہیں ہوگا جب امام حسن بصری نے اسے یہ بتایا تو واصل نے کہا "یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا خیال ہے کہ گناہ کبیرہ کرنے والے کے لئے منزلہ بین المنزلتین یعنی ایک ایسی منزل ہونی چاہیے جہاں نہ وہ مؤمن رہے نہ کافر رہے۔ اس طرح اس کے لیئے توبہ کر کے پھر سے ایمان میں داخل ہونے کا موقع ہے۔ لیکن اگر بغیر توبہ کے مرگیا تو کفر پہ مرگیا۔"

امام حسن بصری کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ انہوں نے کہا میں تجھ سے منہج سلف بیان کرر ہا ہوں، اور تو کہاں سے یہ منزلہ بین المنزلتین کا فلسفہ لے کر آیا ہے، فرمایا نکل جا میری مجلس سے۔ جب اس نے اپنی گمراہی پر اصرار کیا تو اسے مجلس سے نکلوا دیا۔ اور جب وہاں سے نکال دیا گیا تو اس نے اپنی علیٰحدہ ایک مجلس بنالی اور اپنی گمرہی کی طرف لوگوں کو بلاتا رہا یہاں تک کہ اس کے پیروکاروں کا ایک گروپ بنتا گیا اس طرح اس کی ایجاد کردہ گمراہی پر مبنی ایک فرقہ وجود میں آگیا جسے معتزلہ کہا جاتا ہے۔

فرقہ معتزلہ کے عقائد ونظریات:

واصل ابن عطاء نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے علیحدگی کے بعد اس نے اور بھی گمراہیاں وضع کیں چنانچہ اس نے اعتزال کے پانچ اصول وضع کئے اور کہا یہ ہمارے پانچ اصول ہیں جنھیں پسند آئیں وہ ہمارا ساتھ دیں۔

یہ سارے اصول کتاب وسنت اور منہج سلف سے ہٹ کر ایمان اور اعتقاد سے تعلق رکھتے ہیں، اور یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ فرقوں کے اختلاف کا تعلق ایمان اور اعتقاد سے ہوتا ہے۔

معتزلہ کے اصول خمسہ کی وضاحت:

ا۔ پہلا اصول: توحید

توحید کا مطلب ان کے منہج کے مطابق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی بھی صفت کو نہ ثابت کیا جائے کیونکہ صفت کے اثبات سے مخلوق سے مشابہت ثابت ہوتی ہے جو کہ شرک ہے، اللہ کی ذات مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے۔

اس طرح توحید کا عقیدہ اس کے منہج کے مطابق یہ ہے کہ صرف اللہ کی ذات کو ثابت کیا جائے اور کسی صفات کو ثابت نہ کیا جائے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں منہج سلف یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات ثابت کرنے سے تشبیہ لازم نہیں آتی اسی طرح صفات ثابت کرنے سے بھی تشبیہ لازم نہیں آتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنی جن صفات کا ذکر کیا ہے یا حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی جو صفات بیان کی ہیں ہم انھیں بغیر کسی تشبیہ کے ثابت کرتے ہیں۔ سلف کا مشہور قول ہے:

"القول فی الصفات کالقول فی الذات۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں کچھ کہنا ویسے ہی ہے جیسے اس کی ذات کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ یہ معتزلہ کے خلاف خود ان کے اصول سے لی گئ ایک الزامی دلیل ہے جس کا خلاصہ یہ کہ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے ذات ثابت کرتے ہیں، اور دعویٰ یہ کرتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ذات کے اثبات سے مخلوق کی ذات سے مشابہت نہیں لازم آتی ہے، پھر دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس کی ذات کی طرح کسی کی ذات نہیں ہے، تو اسی طرح کا دعویٰ اور دلیل اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں بھی کہنا چاہیے کیوں کہ جس طرح اس کی ذات کے مثل کوئی مخلوق نہیں ہے بالکل اس طرح اس کی صفات کی طرح کسی مخلوق کی صفات نہیں ہوسکتی ہیں جیسے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ⑪ [الشوریٰ:۱۱]

یعنی اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز بھی نہیں ہے، اور وہ بہت سننے والا اور بہت دیکھنے والا ہے۔

۲۔ان کا دوسرا اصول عدل ہے:

ان کا خیال ہے کہ دنیا کا نظام عدل پر قائم ہے اس لئے منہج اعتزال بھی عدل پر قائم ہونا چاہئے، ان کے یہاں عدل کا مطلب یہ ہے کہ:

بندوں کے جو اختیاری افعال ہیں ان کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ خود اس کے خالق ہیں وجود میں آنے سے پہلے وہ افعال بندوں کی قسمت میں لکھے نہیں ہوتے۔ ان کے نظریہ کے مطابق یہ اللہ کے عدل وانصاف کے منافی ہے کہ وہ کسی کے بارے میں پہلے لکھ دے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی ہے اور پھر اس کے بعد مطالبہ کرے کہ یہ عمل کرو اور وہ عمل نہ کرو۔ یہ عدل کے منافی ہے بلکہ یہ اللہ کا بندوں پر ظلم ثابت کرنا ہوگا۔ اس لئے کہتے ہیں بندوں کے اختیاری عمل سے متعلق تقدیر کا کوئی تعلق نہیں ہے، یعنی بندہ کیا عمل کرے گا، نیک ہوگا یا برا ہوگا وغیرہ۔ ان سب کے وجود میں آنے سے پہلے تقدیر میں لکھے جانے کا انکار کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

مگر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تقدیر اللہ کا راز ہے اس نے اس پر سے پردہ نہیں اٹھایا ہے۔ اور کوئی بھی چیز ہو چاہے بندوں کے افعال ہوں یا بندوں کے افعال کے علاوہ کوئی اور چیز ہو سب کو لوح محفوظ میں قلم بند کردیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کے وجود میں آنے سے پہلے اس کو جانتا ہے اور ہر چیز اس کے علم اور اس کی مشیت کے عین مطابق وجود میں آتی ہے اور فنا بھی اس کے علم اور مشیت کے عین مطابق ہوتی ہے۔

۳۔معتزلہ کا تیسرا اصول: وعد اور وعید ہے،

اس اصول کا مطلب ان کے منہج میں یہ ہے کہ نیکی کرنے والے کو وعدے کے مطابق ثواب ضرور ملنا چاہئے اور گناہ کرنے والے کو وعید کے مطابق اس کے گناہ کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ نہ نیکی کرنے والے کا حق ضائع کرے اور نہ برائی کرنے والے کو معاف کرے، والعیاذ باللہ۔

اور اسے تقاضائے عدل بھی کہتے ہیں، جبکہ سلف کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز بھی واجب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جس کو جنت میں داخل کرے گا اپنے فضل سے داخل کرے گا۔ اس کا عمل صرف سبب ہے نہ کہ ضمانت اور گارنٹی ہے۔

اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی انسان ایسا نہیں جس کا عمل اس کو جنت میں لے جائیگا" لوگوں نے پوچھا کیا آپ بھی یارسول اللہ؟ کہا "جی ہاں جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ نہ لے۔" (صحیح مسلم) مطلب کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ جو جنت میں جائے گا وہ اللہ کے فضل وکرم سے اور جس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالے گا وہ اپنے عدل وانصاف سے اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

۴۔معتزلہ کا چوتھا اصول منزلہ بین المنزلتین:

اس کی تشریح پہلے گذر چکی ہے اس لئے دوبارہ تفصیلی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ واصل ابن عطاء نے اپنے عقیدے میں اس نظریہ کا موجد ہے جس کی رو سے گناہ کبیرہ کرنے والا نہ مؤمن رہتا ہے اور نہ کافر اور اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو کفر پر موت ہوگی، لیکن اہل سنت و الجماعت کا مسلک ہے کہ گناہ کبیرہ کرنے والا اللہ کی مشیت میں ہے، وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی نہیں ہوگا بشرطیکہ اس کی موت کفر وشرک پر نہ ہوئی ہو۔

۵۔پانچواں اصول امر بالمعروف اور النہی عن المنکر ہے:

معتزلہ کا پانچواں اور آخری اصول ہے امر بالمعروف والنہی عن المنکر۔

اجمالاً یہ تو ہمارا بھی مسلک ہے، لیکن ان کے وہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص

گناہ کبیرہ کرتا ہے تو طاقت کے زور پر اسے اس سے منع کیا جائے گا، اس میں حاکم وقت بھی داخل ہے چنانچہ اگر اس کی زندگی یا نظام حکومت میں کوئی برائی ہے تو اسے بھی بزور طاقت مٹایا جائے اور اگر اس کو باقی رکھنے پر اصرار کرے تو اسے کافر قرار دے کر اس کے خلاف بغاوت کی جائے گی اور اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی کیونکہ گناہ کبیرہ پر اصرار کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا اور جب کافر ہو گیا تو پھر کافر کو مسلط نہیں رہنے دیا جائے گا۔ یاد رہے کہ مرتکب کبیرہ کی تکفیر گناہ کبیرہ میں ملوث حکام کے خلاف بغاوت خوارج کا بھی منہج ہے۔

موجودہ دور میں بعض تنظیموں میں معتزلہ کے افکار و نظریات کے اثرات:

معتزلہ کے منہج اور ان کے اصول و نظریات کی چھاپ آج بھی بعض لوگوں اور بعض تحریکوں کے افکار و نظریات میں پائی جاتی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی کہے کہ میں معتزلی ہوں۔ لیکن اگر کوئی تقدیر کا انکار کرے، یا اللہ کی صفات کا انکار کرے تو کم سے کم ان مسائل میں وہ معتزلی ہوگا، اسی طرح اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے وہ جنت میں کبھی نہیں جائیگا، کیا وہ معتزلی نہیں ہوا؟ بلاشبہ وہ اپنے اس قول میں معتزلہ کا موافق و مؤید ہے۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم اگر فلاں شخص جنت میں گیا تو اللہ انصاف پسند نہیں ہوگا۔ وہ نہیں جانتے کہ یہ منہج سلف کے خلاف ہے اور فوری طور پر حکم لگا دیتے ہیں۔ کسی کے عمل کو یہ کہنا کہ یہ عمل سنت کے خلاف ہے یا جہنمیوں کا عمل ہے یہ تو کہہ سکتا ہے اگر بظاہر عمل ویسا ہی ہے جیسے کہ وہ کہہ رہا ہے۔ لیکن کسی کے عمل کو دیکھ کے کہنا کہ یہ جہنمی ہے یا یہ جنتی ہے یہ سب غیب کی باتیں ہیں جو نبی کی علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے تعلق سے معمولی اختلاف کے ساتھ تین ہم خیال فرقے:

کلابیہ۔ اشعریہ اور ماتریدیہ:۔

عبداللہ بن سعید بن کلاب البصری متوفی ۲۴۱ھ یہ وہ شخصیت ہیں جس کے ارد گرد

اشعریت اور ماتریدیت گھومتی ہے۔

یہ اشعریہ اور ماتریدیہ دونوں منہج کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے ذکر کیا گیا کہ اشعریت اور ماتریدیت دونوں مناہج معتزلہ کے منہج سے ردعمل کے طور پر وجود میں آئے تھے۔

معتزلہ نے جب اللہ تعالیٰ کے صفات کا انکار کیا تو اس کے برخلاف عبداللہ بن سعید ابن کلاب نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے تعلق سے عموماً اور صفتِ کلام کے ساتھ خصوصاً ایک نئ راہ نکالی جس کی بنیاد پر قرآن کو نہ مخلوق کہا جائے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے لئے الفاظ واصوات کو ثابت کیا جائے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفتِ کلام کے طور پر ذات باری تعالیٰ کے ساتھ صرف معانی کے قائم ہونے کا اعتقاد رکھا جائے، ان کے بقول اللہ تعالیٰ کے لئے الفاظ و اصوات کے اثبات سے مخلوق سے تشبیہ لازم آتی ہے۔

اس طرح وہ منہج معتزلہ کے دلدل سے مکمل طور پر نکل کر منہج سلف نہیں اپنا سکے بلکہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر کی مثال اسماء وصفات کے مسائل میں بہت سے ایسے افکار ونظریات کا اضافہ کیا جس سے نہ وہ منہج سلف پر آسکے اور نہ ہی معتزلہ کے منہج پہ باقی رہ سکے۔

معتزلہ کی اہم اہم گمراہیوں کی تردید کے لئے عبداللہ بن سعید بن کلاب نے جدوجہد کی اور بہت ساری کتابیں بھی لکھیں مگر یونانی فلسفے سے متاثر ہوکر عقلی دلیلوں کا سہارا لیا اس لئے منہج سلف اور منہجِ اعتزال دونوں سے الگ ایک خاص منہج کے موجد بن گئے۔ چنانچہ صفت باری تعالیٰ میں صرف سات صفات کو ثابت کیا۔ اور باقی میں تاویل کی راہ اختیار کی، وہ سات صفات یہ ہیں:

۱۔حیات، ۲۔علم، ۳۔ارادہ، ۴۔ قدرت، ۵۔ سمع، ۶۔بصر، ۷۔ کلام۔

ان سات صفات کو تشبیہ کے خوف سے ان کے معانی میں تفویض کی راہ اختیار کرتے ہوئے ان کو اپنے حقیقی معانی سے دور کردیا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہم اللہ نے لکھا ہے اشعریت اور ماتریدیت یہ کلابیت سے ماخوذ ہے۔لیکن ابن کلاب کا مسلک اہل سنت والجماعت سے بہت قریب تھا۔ اشعریت اور

ماتریدیت گرچہ کلابیت سے نکلے ہیں مگر ان میں عقلیت، فلسفہ ومنطق اور بھی زیادہ بھر دیا گیا جس نے ان دونوں مناہج میں مذہبِ سلف سے اور بھی دوری پیدا کردی۔

۵۔اشعریت کا تذکرہ:

اشعریت کی نسبت ابوالحسن اشعری کی طرف کی جاتی ہے، ۲۷۰ ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی، اور ۳۲۴ ہجری میں وفات ہوئی۔

خاندانی نسبت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف ہے، اسی نسبت سے اشعری کہلائے۔ انھوں نے جب تعلیم حاصل کرنا شروع کی تو پہلے معتزلی عالم کے حلقۂ درس سے شروع کیا، نظریاتی جراثیم یہیں سے لگنے شروع ہوئے اور چالیس سال اسی پر گزر گئے۔ پھر پتا چلا کہ یہ مذہب غلط ہے تو حق کی تلاش میں نکلے اور عبداللہ ابن سعید بن کلاب کی مجلس میں گئے اور ان کے منہج سے متاثر ہوئے جو اللہ کی صفات میں صرف سات کو ثابت کرتے اور باقی کی تاویل کرتے۔اس منہج کو پسند کیا۔

مگر اس منہج سے بھی بے اطمینانی ہوئی تو حق کی تلاش میں اہل سنت کی مجلسیں تلاش کرنے لگے پھر بصرہ میں اس زمانے کے محدث حافظ زکریا الساجی سے ملے جنھوں نے صفات باری تعالیٰ کے باب میں ان کو منہجِ سلف سکھایا اور دیگر مسائل میں بھی منہج سلف سے واقفیت ہوئی، پھر وہاں سے بغداد چلے گئے۔ اور وہاں جا کر بہت سارے مناہج کے بارے میں تحقیق کی، علماء سلف سے ملے۔ پھر جب آپ پر منہجِ سلف واضح ہو گیا تو آپ نے کتاب ''الابانہا لاصول الدیانہ'' لکھی اور اس میں اعتزالی اور کلابی دونوں مذاہب سے برأت کا اظہار کیا۔لیکن اشاعرہ اس کتاب کی نسبت کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ اور موجودہ اشاعرہ جو ہیں وہ ابوالحسن اشعری کے الابانہ کتاب سے پہلے والے منہج پر ہی قائم ہیں۔

۶۔فرقہ ماتریدیہ کا تعارف:

امام ابوالحسن اشعری کی فکر سے متاثر ہونے والے علماء میں ابومنصور ماتریدی ہیں، جن کا نام محمد بن محمد بن محمود تھا۔ یہ سمرقند کے پاس ایک گاؤں میں جس کا نام ماترید ہے پیدا ہوئے

اور اسی نسبت سے ماتریدی کہلائے۔

اکثر احناف کا مذہب، ایمان و اعتقاد کے مسائل میں انہیں کے منہج پر ہے، آپ کے اساتذہ میں بہت سے مشائخ کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی زندگی کے تفصیلی حالات نہیں ملتے ہیں۔ صرف چند کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ اور خود علماء احناف بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔ انہوں نے اصول فقہ اور علم کلام پہ کتابیں لکھی ہیں۔ بلکہ یہ پہلا شخص ہے جنہوں نے علمِ توحید کا نام بدل کر علم کلام رکھ دیا۔ اس طرح توحید کے موضوع پر جو کتابیں لکھی جاتی ہیں اس کا عنوان ہی بدل دیا اور علم توحید کے بجائے علم کلام رکھ دیا گیا، اس لئے آج جو فلسفیانہ انداز میں عقائد کی کتابیں لکھی جاتی ہیں انہیں علم کلام کہا جاتا ہے۔ احناف کے مدرسوں میں عقائد کی کتابوں کے لئے یہی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

وجہ تسمیہ:

علمِ توحید کو علمِ کلام اس لئے کہا گیا کہ بنیادی طور پر شروع میں جو ایمان اور اعتقاد کے باب میں اختلاف پیدا ہوا تھا وہ کلام باری تعالیٰ سے شروع ہوا تھا۔ معتزلہ نے سب سے پہلے قرآن کے متعلق یہی فتنہ اٹھایا تھا کہ قرآن مخلوق ہے اسے اللہ تعالیٰ نے دیگر مخلوقات کی طرح پیدا کیا ہے، اور قرآن میں جہاں بھی اللہ کے کلام کا تذکرہ ہے سب جگہ یہی کہتے ہیں پھر ایمان وعقیدہ سے متعلق تمام موضوعات کے لئے علم کلام کی اصطلاح مشہور ہوگئی۔

فرقہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے بعض مشہور اہل علم

اشاعرہ میں بڑے بڑے اہل علم بھی پیدا ہوئے، مشہور ترین شخصیتوں میں:

۱۔ابو اسحاق شیرازی:

متوفی ۴۷۶ ھ، فقہ اور اصول فقہ پر ان کی بہت ساری کتابیں ہیں۔ فقہ شافعیہ میں ان کی مشہور کتاب کا نام ''المھذب'' ہے، امام نووی نے اس کی شرح ''المجموع'' کے نام سے

شروع کی تھی مگر پورا کرنے سے پہلے آپ کی وفات ہوگئی، اور اصول فقہ آپ کی دو کتابیں مشہور ومقبول ہیں ''اللمع'' اور ''التبصرۃ''۔

۲۔ امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف الجوینی۔ متوفی ۴۷۸ھ

ان کا شمار بھی اشعری مذہب کے علماء کبار میں ہوتا ہے۔ آپ کی بھی فقہ اور اصول فقہ پر بہت ساری کتابیں ہیں، جن میں مشہور ترین: ''البرہان فی اصول الفقہ''، "الورقات رسلہ مختصرہ فی اصول الفقہ"، "نہایۃ المطلب فی الفقہ الشافعی" بیس جلدوں میں۔ آخری عمر میں آپ نے فلسفہ اور علم کلام پر مبنی مذہب اشعریت سے توبہ کر کے مذہب سلف اختیار کرنے کا اعلان کیا تھا۔

۳۔ امام غزالی ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الطوسی متوفی: ۵۰۵ ہجری

یہ بھی اپنی زندگی میں مختلف مراحل سے گزرے۔ تصوف، علم کلام میں ان کا بڑا گہرا علم تھا۔

اس کے علاوہ شافعی مذہب میں فقہ اور اصول فقہ میں بھی بڑی مہارت تھی۔ ''احیاء علوم الدین'' ان کی بہت مشہور کتاب ہے جسے دنیا کے تمام ملکوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ اس میں انہوں نے تزکیہ نفس اور فضائل اعمال بیان کیے ہیں۔

اس کے علاوہ اصول فقہ میں ان کی کتاب ''المستصفی'' بہت اہم اور مشہور کتاب ہے اور فقہ شافعی میں ''کتاب الوجیز'' اور ''کتاب الوسیط'' بھی کافی اہم ہیں۔

آخری عمر میں بستر مرگ پر اپنے فلسفیانہ منہج سے برأت کا اظہار کیا اور صحیح بخاری سینے پہ رکھ کے یہ اعلان کیا کہ میں اس کتاب کے منہج پہ مر رہا ہوں۔

۴۔ فخر الدین رازی محمد بن عمر

متوفی ۶۰۶ھ کا علماء اشاعرہ اور علماء شافعیہ میں بہت بڑا مقام رہا ہے۔ مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں قرآن کریم کی ایک لمبی تفسیر بھی لکھی ہے جس کا نام تفسیر کبیر ہے، اصول فقہ میں ''المحصول'' نامی آپ کی تصنیف کو بہت شہرت ومقبولیت

حاصل ہے۔

منطق و فلسفہ پر مبنی عقلی دلائل سے بہت شغف تھا، یہاں تک کہ عقلی دلائل کو شرعی دلائل پر ترجیح دیتے تھے، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان کے اس منہج کی تردید میں ان کو اپنی تنقید کا خاص نشانہ بنایا ہے، اور شرعی دلائل کی برتری کو ثابت کیا ہے، اس موضوع پر درءِ تعارض العقل والنقل کے نام سے علامہ ابن تیمیہ کی خاص تصنیف ہے۔

علامہ رازی نے بھی آخری عمر میں اپنے فلسفیانہ منہج سے رجوع کر لیا تھا۔ علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب ''لسان المیزان'' میں امام رازی سے نقل کیا ہے کہ اکثر فلسفیانہ نقطۂ نظر رکھنے والے اور گمراہ لوگ بھی اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ میں نے کلامی اور فلسفی مناہج کو بڑے غور سے دیکھا ہے۔ یہ کسی بیمار کو شفاء دے نہیں سکتے اور نہ کسی پیاسے کی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ جتنے بھی فلسفیانہ اور منطقیانہ دلائل ہیں وہ انسان کی فطرت کی پیاس کو نہیں بجھا سکتے۔ پھر کہتے ہیں اعتقاد کے بیان کرنے میں اور اعتقاد کی تشریح کرنے میں سب سے بہترین اور قریبی منہج اور طریقہ قرآن کا طریقہ ہے۔

ایمان اور اعتقاد سے متعلق اشاعرہ کا منہج

ایمان اور اعتقاد سے متعلق اشاعرہ کے منہج کے اہم اصول یہ ہیں:

۱۔ اشاعرہ کے نقطۂ نظر سے انسان کے اوپر پہلا واجب اللہ کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ اور بعض دیگر اشاعرہ کا کہنا ہے کہ پہلا واجب اللہ کی معرفت کے لیے غور و فکر کرنا ہے اور کسی نے کہا پہلا واجب اللہ کی معرفت کے لئے غور و فکر کرنے کا اردہ کرنا ہے اس طرح کی موشگافیاں فلسفیانہ باتیں ہیں جو اپنی عقل سے سوچتے ہیں۔ کتاب و سنت پر مبنی منہج سلف یہ ہے کہ انسان پر پہلا واجب اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔ متفق علیہ روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ جب داعی اسلام بھیجتے تو کہتے پہلے لوگوں کو لا الہ الا اللہ کہنے کی دعوت دو، اور جب اس کا اقرار کر لیں تو پھر انہیں پنج وقتہ نماز کا حکم اور جب اس کو مان لیں تو پھر ان کو اپنے مال کی

زکاۃ نکالنے کا حکم دو۔۔۔(آخر تک)

۲۔ان کے یہاں ایمان کی حقیقت صرف قلبی تصدیق کا نام ہے، زبان سے اقرار کرنا ایمان کا رکن نہیں ہے۔ دل میں لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تو آپ اللہ کے نزدیک مؤمن ہو گئے۔ زبان سے اقرار کرنا شرط ہے وہ اس لئے تا کہ لوگوں کے درمیان پتہ چلے کہ آپ مومن ہو، کتاب وسنت پر مبنی منہج سلف میں زبانی اقرار ایمان کا رکن ہے۔ رکن اور شرط میں یہ فرق ہے کہ کسی چیز کا رکن اس کا ایک جزء ہوتا ہے اور شرط اس سے باہر ہوتا ہے۔

تو پھر اس اصول پر ابو طالب بھی اللہ کی نظر میں مومن تھے۔ بلکہ بہت سے ایسے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ بھی مؤمن ہوں گے جو دل سے جانتے تھے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ﴿۱۴۶﴾ [البقرۃ:۱۴۶]

یعنی جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہوں اور ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو حق کو جاننے کے باوجود چھپاتے رہتے ہیں۔

منہج سلف میں ایمان تین چیزوں کا نام ہے۔ دل سے تصدیق، اور زبان سے اقرار اور اپنے اعضاء وجوارح سے عمل کا یعنی تینوں کے مجموعے کا نام ایمان ہے۔

۳۔ان کا تیسرا منہج ہے قرآن وسنت میں جو دلائل ہیں یہ دلائل ظنی ہیں یعنی اس سے آپ کو یقین نہیں مل سکتا ہے۔ آپ کو کسی مسئلے میں یقین چاہئے تو عقلی دلیل سے ہی مل سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں شرعی دلائل میں بہت سارے احتمالات ہیں۔ رازی نے دس احتمال ذکر کئے ہیں۔ ان کے بقول ہر شرعی دلیل کے پیچھے دس احتمالات ہوتے ہیں اس لئے وہ یقین اور قطع کا فائدہ نہیں سکتی ہے وہ اگر صحیح تب بھی صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے، اس کے برعکس ان کے نزدیک عقلی دلائل میں قطعیت ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ اصول غلط ہے، اسی لئے علمائے سلف نے اس کی تردید

کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ادلۂ شرعیہ اور عقلیہ دونوں میں قطع وظن موجود ہے بلکہ ادلہ شرعیہ میں ادلہ عقلیہ کی بہ نسبت قطع ویقین زیادہ ہے تفصیل کے لئے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''درء تعارض العقل والنقل'' دیکھی جائے۔

۴۔ مزید ان کے منہج میں یہ بھی ہے کہ اگر عقلی دلائل اور شرعی دلائل میں تعارض ہو جائے تو عقلی دلائل کو ترجیح دی جائیگی۔ مثال کی طور پر اگر ایک اشعری عالم کی عقل کہتی ہے کہ اللہ کی فلاں صفت ثابت کرنے سے تشبیہ لازم آتی ہے جبکہ وہ صفت کتاب وسنت میں موجود ہے تو پھر اس صورت میں اشاعرہ کہتے ہیں عقلی دلیل کو ترجیح دی جائے گی۔ اس لئے ان کے یہاں یہ قاعدہ بن گیا کہ عقلی دلائل شرعی دلائل سے متعارض ہو جائے تو عقلی دلائل کو ترجیح دی جائیگی۔ اس منہج پر بہت ساری کتابیں بھی لکھی گئیں ہیں۔ مقابلے میں علامہ ابن تیمیہ نے بھی اشاعرہ کی تردید میں بڑی جامع کتابیں لکھی ہیں اور کئی مجلد میں لکھی ہیں جو علمی لحاظ سے بہت زیادہ قیمتی کتابیں ہیں۔ اس میں انھوں نے رازی وغزالی اور جوینی جیسے رؤسا اشاعرہ پر زبردست علمی تردید کی ہے۔ خصوصا اپنی مشہور تصنیف ''درء تعارض العقل و النقل'' میں، اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ اگر نقل صحیح ہے یعنی کتاب وسنت سے وہ چیز ثابت ہے تو اس میں اور عقل سلیم میں کبھی تعارض نہیں پیدا ہوسکتا ہے اسی کو اصل بنا کر کتاب لکھ ڈالی ہے اور جتنے شکوک وشبہات تھے سب کو اس میں ذکر کر کے ان سب پہ رد کر دیا۔

آج کل جو لوگ جدید علوم سے متاثر ہیں ان کے یہاں یہی بڑا فتنہ ہے، اس فتنے کا دروازہ سب سے پہلے ہندوستان میں ''سر سید احمد خان'' نے کھولا تھا جنھوں نے بہت سارے دینی حقائق کا انکار کیا اور غلط تاویل کا دروازہ کھول کر بہت سے شرعی حقائق کے انکار کی راہ ہموار کر دی جس کی وجہ سے ان کے معتقدین کی نظر میں نقل کے مقابلے میں عقل کو مقدس سمجھا جانے لگا۔ واللہ المستعان۔

۵۔ اشاعرہ کا پانچواں اصول یہ ہے کہ اللہ کے درج ذیل صرف سات صفات ذاتیہ ہیں جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے:

۱۔ حیات، ۲۔ علم، ۳۔ ارادہ، ۴۔ قدرت، ۵۔ سمع، ۶۔ بصر، ۷۔ کلام۔

اس کے علاوہ جتنے بھی صفات ہیں وہ ذاتیہ نہیں ہیں اس لئے ان کی تاویل کی جائیگی کیونکہ ان کے نزدیک ان صفات کو ثابت کرنے سے مخلوق سے تشبیہ لازم آتی ہے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات قرآن میں یا حدیث میں جس طرح سے بھی بیان کئے گئے ہیں ان کو اسی طرح سے اور انھیں معنوں میں، بلا تشبیہ، بلا تاویل اور بلا کیفیت بتائے ثابت کرنا چاہیے۔

۶۔ ان کا چھٹا اصول ہے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا انکار کر کے اس کی تاویل کرنا،

سبب انکار: انکار کا سبب ان کے نزدیک ان کے بقول یہ ہے کہ اللہ ایسی ذات ہے جس کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہاں ہے۔ جب اشارہ کروگے کہ اوپر ہے تو اس کا مطلب نیچے نہیں ہے تو گویا آپ نے اسے محدود کر دیا۔ اور اللہ غیر محدود ہے۔ اس لئے اس بات سے بچنے کے لیے کہ محدودیت اور جھوٹ ثابت نہ ہو عرش پر مستوی ہونے کا انکار کر دیا۔ اور قرآن وحدیث میں استواء علی العرش کے بارے میں وارد نصوص کی غلط تاویل کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے وجود کے تعلق سے ایسا نظریہ ایجاد کیا جس سے وجود کے بجائے عدم ثابت ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے تعلق سے ان کا نظریہ ہے کہ: نہ وہ اوپر ہے اور نہ نیچے، نہ وہ دائیں ہے نہ بائیں۔ بلکہ وہ ہر جگہ ہے۔ اشاعرہ کے اس اصول کو کہ اللہ ہر جگہ ہے صوفیاء نے اپنا لیا اور کہا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے تو ہمارے شیخ اور ولی کی شخصیت بھی ایک جگہ ہے تو گویا اللہ تعالیٰ اس کی شخصیت میں بھی سمایا ہوا ہے۔ اس عقیدے نے حلول اور وحدت الوجود کا دروازہ کھول دیا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے تو ہر چیز میں حلول کر گیا ہے اب اس کو الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے۔

حالانکہ اشاعرہ نے حلول اور وحدت الوجود کا عقیدہ نہیں دیا مگر انہوں نے اپنے اس نظریہ سے بدعقیدگی کے لئے راہ تو ضرور ہموار کی ہے۔ تو یہ ہے منہجِ اشعریت سے متعلق چند باتیں۔ پھر بھی بہت سارے لوگ کہتے ہیں ہمارا ان سے کیا اختلاف ہے؟

یہ سب ایمان واعتقاد سے متعلق بنیادی اختلافات نہیں ہیں؟

اسی لئے ان کا شمار منہج سلف کے مطابق فرقوں میں ہوگا۔

یہی وجہ ہے منہج سلف پر لکھی گئی کتابوں میں ان کا تذکرہ فرق ضالہ کے ضمن میں کیا جاتا ہے، کیونکہ کوئی شخص اس عقیدے پر رہ کر کتاب وسنت کا عقیدہ نہیں اختیار کرسکتا ہے۔ دونوں میں مشرق ومغرب کی دوری جیسا فرق ہے۔

اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان آپسی اختلاف کا جائزہ:

اشاعرہ اور ماتریدیہ دونوں کے درمیان بنیادی طور پر اکثر وبیشتر مسائل میں اتفاق ہے، مگر چند جزوی مسائل میں ان کے اندر آپسی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔اس پر بعض علماء نے روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ا۔ماتریدی صفات ذات اور صفات فعل میں فرق نہیں کرتے ہیں۔

اشاعرہ اس میں فرق کرتے ہیں، مگر تاویل کے ساتھ

اور منہج سلف میں بھی دونوں میں فرق ہے مگر تاویل نہیں ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا آسمانی دنیا پر نزول فرمانا جیسا اس کو لائق ہے

یہ اس کی صفت فعل ہے، اس کو بحیثیت فعل ثابت کرتے ہیں لیکن اس کے معنی ومفہوم کو بدل کر، چنانچہ کہتے ہیں نزول سے مراد نزول رحمت ہے جب کہ سلف صالحین اس کو ظاہری معنی پر بنا تاویل محمول کرتے ہیں مگر اس قید کے ساتھ کہ جیسا اس کو لائق وزیبا ہے نہ اس کی کیفیت تلاش کرتے ہیں اور نہ ہی اس کو کسی مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ذات وصفات میں منفرد وبے نظیر ہے اس کے مثل کوئی بھی مخلوق نہیں ہے۔

۲۔دوسرا فرق:

اشاعرہ مشیت یعنی ارادہ اور رضا میں فرق نہیں کرتے۔ کہتے ہیں جو ارادہ ہے وہی رضا بھی ہے یعنی ہر چیز میں اللہ کا ارادہ اور اس کی رضا ہے۔یعنی اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اور اسے پسند بھی کرتا ہے تو اسے اللہ کی مرضی کہیں گے۔

ماتریدیہ ان دونوں میں فرق کرتے ہیں۔

اور دونوں میں فرق کرنا منہج سلف بھی ہے اور کتاب وسنت کے نصوص اس کے شاہد عدل ہیں، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ: اللہ کا ارادہ دو قسم کا ہے: ایک ارادہ شرعیہ ہے جسے رضا بھی کہا جاتا ہے اور دوسرا ارادہ کونیہ قدریہ ہے جسے قضا وقدر اور مشیت بھی کہا جاتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر قضیہ میں دونوں ایک دوسرے کے موافق ہوں۔

ایسا ہوسکتا ہے کہ کہیں پر ارادہ شرعیہ پایا جاتا ہو مگر ارادہ کونیہ اس کے خلاف مثلاً ارادہ شرعیہ کے مطابق ہر انسان سے ایمان مطلوب ہے اور شریعت کا مخاطب ہے، مگر ارادہ کونیہ کے تقاضے کے مطابق کچھ لوگوں کو ایمان سے محروم رکھنا ہے، اس لئے ایمان نہیں لائیں گے۔ اور جو لوگ صاحب ایمان ہیں ان کے حق میں ارادہ شرعیہ اور ارادہ کونیہ کا موافقت کے ساتھ اجتماع ہے

چنانچہ سلف صالحین کے نزدیک ارادہ کونیہ کے تحت اگر کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہو جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ہے جیسے کفر ومعصیت تو اسے اللہ کی مرضی نہیں کہیں گے بلکہ اسے اللہ کی مشیّت کہیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ [الزمر:۷]

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں کفر سے راضی نہیں ہوتا ہے اور اگر تم شکر ادا کرو تو تمہارے حق میں اس سے راضی ہوگا۔

کافر کا کفر اور مشرک کا شرک یہ سب اللہ کے ارادے سے ہے مگر اس میں اللہ کی رضا نہیں ہے۔ اس لئے اگر خیر کی چیز ہے تو کہنا چاہئے اللہ کی مرضی ہے اور اگر شر کی چیز ہے تو نہیں کہنا چاہئے: اللہ کی مرضی، بلکہ یہ کہنا چاہیے: اللہ کی مشیت اور اس کا فیصلہ۔

۷۔ فرقہ صوفیاء:

فرقہ صوفیاء یعنی تصوف کو اپنانے والا گروہ یہ بھی ایک فرقہ ہے۔ اسے فرقہ اس لئے کہا گیا کیوں کہ ایمانیات اور اعتقادیات میں اس کی الگ راہیں ہیں جو منہجِ سلف سے ہٹ کے

ہیں۔اور فرقہ اسی وقت کہا جاتا ہے جب ایمانیات اور اعتقادیات میں کوئی اپنی الگ راہ بنا لے۔ جب تک ایمانیات اور اعتقادیات میں کوئی الگ راہ نہیں ہے تو اسے مذہب ومسلک یا مکتب فکر کہتے ہیں۔ جیسے ائمہ کرام کی طرف منسوب اقوال واجتہادات پر مبنی جو فقہی مذاہب ہیں ان کو فرقہ نہیں بلکہ مذہب یا مسلک یا مکتب فکر کہا جاتا ہے، مگر تصوف عموماً ایمان وعمل اور تزکیہ نفس کے باب میں اپنے خاص منہج فکر کی وجہ سے ایک فرقہ ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ تابعین کا آخری دور چل رہا تھا یعنی دوسری صدی ہجری کا آخری دور تھا اس وقت تین بدعتیں وجود میں آئیں۔

۱۔''رائے''اس کی طرف منسوب لوگوں کو اہل رائے کہا گیا۔

۲۔''کلام''اور اس کی طرف منسوب لوگوں کو متکلمین کہا گیا۔

۳۔ ''تصوف''اور اس کی طرف منسوب لوگوں کو صوفیاء کہا گیا۔

رائے کا مرکز کوفہ تھا اور اہل کلام اور تصوف زیادہ تر بصرہ میں تھے۔

تصوف یا صوفیہ یہ لفظ کہاں سے آیا اور اس کی اصل کیا ہے اس کے متعلق بہت ساری باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا یہ اصحابِ صفہ سے ماخوذ ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ یہ صفاء قلب سے ماخوذ ہے، لیکن یہ سارے اقوال صحیح نہیں ہیں۔ قرین قیاس ان کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ یہ صوف سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی اون ہے اور اکثر علمائے محققین کے نزدیک اسی قول کو زیادہ ترجیح حاصل ہے، جن میں علامہ ابن تیمیہ بھی ہیں۔ اس لئے کہ اس زمانے میں صوف کا پہننا زہد کی علامت تھی اور فقیر اور درویش قسم کے لوگ زیادہ تر یہی لباس پہنا کرتے تھے۔

صوفی کا مطلب اونی لباس پہنا ہوا درویش اور زاہد انسان۔

صوفیت کا ظہور تو دوسری صدی کے آخر میں ہوا جیسا کہ ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے مگر بحیثیت منہج کے جس شخص نے اس سلسلے میں گفتگو کی وہ ابو سلیمان الدارانی (متوفی: ۲۰۵ یا ۲۱۵ھ) ہیں۔

صوفیت عملی طور پر ایک منہج ہے جو تزکیہ نفس کے نام پر وجود میں آیا اور اس وقت وجود

میں آیا جب اسلامی مملکت میں فتوحات کا سلسلہ بہت زیادہ بڑھ گیا اور مسلمانوں کے یہاں دولت کی ریل پیل ہوگئی۔ اس زمانے میں عربوں نے یہ عیش وعشرت کی زندگی نہیں دیکھی تھی۔ اور جب لوگوں نے یہ عیش پرستی دیکھی تو کہا اس طرز زندگی سے تو دین ضائع ہو جائیگا۔ اس لئے انہوں نے دعوت دی کہ زہد اختیار کرو۔

جیسے مدینہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، انھوں نے مدینے سے نکل کر باہر جا کر بستی بنالی تھی، کیوں کہ وہ کہنے لگے جس طرز پر تم لوگ زندگی گزار رہے ہو یہ طرزِ زندگی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی۔ تم لوگ بڑے بڑے محل بنا رہے ہو، یہ کھا رہے ہو، یہ پہن رہے ہو، یہ غلام یہ باندی۔ ان سب سے تو فتنہ پیدا ہو جائیگا اور آخرت برباد ہو جائیگی اس لئے آخرت کی حفاظت کے لئے ان سب کو چھوڑ دینا چاہیے اور دنیا ترک کر دینا چاہیئے۔

تو کچھ لوگوں میں یہ سوچ وفکر آگئی کہ زہد بہت ضروری ہے کیونکہ عیش وعشرت کی زندگی وقت گذرنے کے ساتھ انسان کو اللہ سے دور کر دیتی ہے۔ اسی چیز کو بنیاد بنا کر کے دنیاوی عیش وعشرت سے دور رہنے کا نقطہ نظر اپنایا اور اسی کو اپنانے کی دعوت دینے لگے۔

دوسرے قدیم ادیان جیسے یہودیت، نصرانیت، ہندومت، مجوسیت وغیرہ میں بھی ایسے لوگ پہلے سے موجود تھے جو دنیا سے کٹ کر کے گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھے جس کو رہبانیت کہا جاتا ہے، یہی نقطۂ نظر ان مسلم درویشوں کو بھی پسند آگئی تو کہا یہ طریقہ ٹھیک ہے اور اس کو اپنانے کے لئے عام معاشرے سے الگ ہونے کی کوشش کی اور تزکیہ نفس کے لیے جو عجمی نظریات تھے اس سے متاثر ہو گئے پھر بہت ساری بدعتیں آہستہ آہستہ ان میں بھی آگئیں۔

اول زمانے میں صوفیاء صفاء قلب کے قائل تھے یعنی سب سے پہلے اپنے قلب کو صاف کرو یعنی دل کے اندر سے دنیا کی خواہش کو مٹاؤ کیونکہ یہیں سے ساری برائیاں پیدا ہوتی ہیں یہیں سے حلال وحرام کی تمیز ختم ہوتی ہے۔ کس طرح دل کو صاف کرو؟ تزکیہ نفس کے ذریعے۔ اس کے لئے مخصوص ورد اور وظائف وضع کیے گئے۔

ان میں سے ایک طریقہ ریاضت ہے۔ ہندوستان میں صوفیت پر لکھی گئی ایک کتاب

میں مولانا ابوالحسن ندوی کسی ندوے کے عالم کا منظر نامہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ کسی خانقاہ میں تشریف لے گئے جہاں صوفیوں کی ریاضت کرائی جاتی ہے۔ تو اس خانقاہ کے بزرگ اپنے شاگردوں کو کہہ رہے ہیں لا الٰہ کی ضربیں لگاؤ اور سینے پہ زور سے مارو اور یہی کہتے رہو چنانچہ کچھ دنوں تک صرف ''لا الہ'' کی اس ضرب کے بعد پھر''الا اللہ'' کی ضربیں لگانے کو کہا گیا۔

تو انھوں نے دریافت کیا کہ حضرت یہ میری سمجھ میں نہیں آیا آپ نے اتنے دنوں تک لا الٰہ کہلوایا پھر اس کے بعد الا اللہ کہلوایا، ہم بھی قرآن وحدیث پڑھے ہیں لیکن یہ طریقہ قرآن و حدیث اور منہج سلف میں کہیں نظر نہیں آیا۔ تو اس شیخ طریقت نے کہا آپ اس کو نہیں سمجھ پائیں گے یہ آپ کا فن نہیں ہے، پھر وہ بزرگ ان کا احترام کرتے ہوئے خاموش ہو گئے۔

کہنے کا مطلب ہے کہ اول نظر میں ہی علمی نقطہ نظر سے اس کا خلاف شرع ایک بدعت ہونا صاف نظر آ گیا، لیکن آخر کار عقیدت کے رعب نے اس بدعت کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا اور پھر خود شیخ طریقت ہو گئے۔

بدعتیں اسی طرح امت مسلمہ کے اندر رواج پاتی ہیں ورنہ جو صوفیت پہلے تھی اس کا مقصد کتاب وسنت اور منہج سلف کے طرز پر صرف تزکیہ نفس تھا۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ متاخرین صوفیا کے طریقہ تصوف میں یہود ونصاری کی رھبانیت اور ہندومت اور بدھ مت کا طریقہ یوگ داخل ہو گیا، اسی لیے صرف ''لا الہ'' کی ضرب لگائی جبکہ کلمہ توحید کا یہ آدھا حصہ جملہ الوہیت کے انکار پر مبنی ہے، اس لیے اگر اسی اقرار پر جان نکل گئی تو موحد کی موت نہیں ہو گی۔ والعیاذ باللہ۔ بلکہ وہ الحاد کی موت ہو گی۔

صوفیاء کے مصادر:

منہج سلف سے بھٹکے ہوئے متاخرین صوفیاء کے چھ مصادر ہیں۔

۱۔ کشف

۲۔ ذوق

۳۔ وجد

۴۔ الہام

۵۔ خواب

۶۔ مختلف صوفیا کے وضع کردہ ریاضت کے طریقے۔

مذکورہ امور کی وضاحت:

۱۔ کشف

کشف کا لغوی معنی ہے پردۂ خفا میں مستور چیز کو ظاہر کرنا اسی مادہ سے انکشاف کا لفظ ہے جس کا معنی ظاہر ہونا یا احاطہ علم میں آنا۔

صوفیا کی اصطلاح مین کشف کا مطلب ہے: خلاف عادت ایسی چیز کا علم وادراک ہو جانا جو مادی وسائل کے ذریعہ نہ حاصل کئے جا سکتے ہوں، جیسے دیوار کے پیچھے کی چیز کا ادراک کرنا، یا کسی شخص کے مقصد اس کے بتائے بغیر جان لینا یا بہت کافی مسافت کی چیزوں کو مادی وسائل کو استعمال کئے بنا اس طرح مشاہدہ کرنا جیسے کہ وہ قریب سے مشاہدہ کر رہا ہو، جیسے کہ خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ بلاد فارس کے کسی محاذ پر جہاد کر رہی فوج کی خطرناک پوزیشن کا مشاہدہ کرتے ہوئے کمانڈر ساریہ کو مدینہ منورہ سے مخاطب کر کے فرمایا: "یاساریۃ الجبل" یعنی اے ساریہ پہاڑ کے دامن میں مورچہ لگا کر جنگ کرو، چنانچہ کمانڈر نے ان کی بات سنی اور اس پر عمل کر کے جنگ جیت لی، یہ قصہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت میں ان کے حق میں کشف وکرامت کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اور علماء کے درمیان اس کی صحت وثبوت میں اختلاف ہے۔

منہجِ سلف میں کشف کی حقیقت:

علامہ ابن تیمیہ رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو کرامت دے تو اس شخص کو اس چیز کی حقیقت الہامی شکل میں بتادے۔ کیونکہ وحی بند ہوگئی ہے الہام بند نہیں ہوا ہے۔ کشف ایک کرامت ہے لیکن کوئی بات کتاب وسنت کے خلاف ہوگی تو اس

کشف کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ وہ کشف شیطانی ہوگی۔ گویا کشف دو قسم کا ہے ایک کشف رحمانی ہے اور دوسرا کشف شیطانی۔

دونوں میں فرق صوفی کے عمل اور اس کے ایمان سے کیا جائے گا، اگر اس کا ایمان و عمل کتاب وسنت کے مطابق منہج سلف پر ہے تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسی بات ڈال دے جو ہونے والی ہے یا ہو رہی ہے جو اس کے نظروں سے دور ہے۔

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے شیدائی ان کے ساتھ اگر اس طرح کا معاملہ پیش آیا تو اسے کشف رحمانی کہیں گے۔ ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ " مؤمن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" تو یہ مؤمن کی فراست بھی کشف ہی کی صورت ہے۔ مگر شرط ہے جو چیز بھی کشف کے ذریعے دکھائی جارہی ہے وہ بات قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو اور جو کشف کا دعوی کررہا ہو اس کا عمل کتاب وسنت کے مطابق ہو۔ اگر نہیں ہے تو اس کا کشف، کشف شیطانی ہوگا۔ واللہ اعلم

۲۔ ذوق صوفیاء کے منہج ایمان وعمل کا دوسرا مصدر و مرجع ہے:

صوفیاء بہت ساری چیزیں اپنے ذوق سے حاصل کرتے ہیں۔ صوفی کے ذوق میں اگر کوئی چیز آ گئی، مثلاً اگر قوالی سننے کا ذوق آ گیا تو قوّالی سنیں گے۔ قرآن سننے کا ذوق پیدا ہو گیا تو قرآن بھی سن لیں گے۔

عالم اسلام میں کئی مساجد اور درگاہیں ایسی ہیں جہاں پر مسجد کے بیچ میں سماع کے لئے ایک الگ ہال ہوتا ہے، جہاں پر قوّالی ہوتی ہے شعر و شاعری پڑھی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے بھی روحانیت پیدا ہوتی ہے، پھر چاہے کوئی عورت پڑھے یا مرد اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ان کے منہج میں یہ سب ذوق کی باتیں ہیں۔

لیکن منہج سلف میں ہر عمل کو کتاب وسنت سے ناپا اور تولا جاتا ہے اس لئے اس ذوق کی کوئی اہمیت نہیں ہے جو کتاب وسنت کے اور منہج سلف کے خلاف ہو۔

۳۔صوفیاء کا تیسرا مصدر ''وجد'' ہے:

وجد عربی کا لفظ ہے جس کا معنی کسی چیز کو پانا یا معنوی طور پر دل میں کسی چیز کا ادراک و احساس کرنا، اس معنی میں وجد کا اطلاق اعمال قلوب میں ہوتا ہے، اسی معنی میں لذت ایمان کا ادراک ہے جس کے متعلق صحیح احادیث میں آیا ہے کہ'' جس کے اندر تین صفات پائی جاتی ہیں وہ ایمان کی لذت پاتا ہے۔

۱۔جس کے نزدیک اللہ اوراس کا رسول سب سے زیادہ محبوب ہو۔

۲۔اور جب کوئی شخص کسی انسان سے محبت کرے تو اللہ کے واسطے کرے۔

۳۔اور کفر میں جانا اسے اتنا ناگوار گزرے جیسے کہ اسے آگ میں ڈالا جانا ناگوار گزرتا ہے۔'' (متفق علیہ)

جس کے اندر یہ تین صفات ہوں گی وہ اپنے اندر ایمانی اور روحانی وجد محسوس کرے گا۔

یہی حقیقی ایمانی وجد ہے، لیکن صوفیاء کا وجد ایک الگ قسم کا وجد ہے کیونکہ وہ کبھی خوبصورت چیز کو دیکھ کر وجد میں آجاتے ہیں خواہ عورت ہو یا مرد ہو محرم ہو غیر محرم ہو چھوٹا ہو بڑا ہو نہ جانے کس چیز پہ وجد آجائے تو وہیں جھوم اٹھتے ہیں اور ناچنے لگتے ہیں۔ یہ سب گمراہیاں ہیں۔اور یہ سب باتیں وہ اپنی کتابوں میں لکھتے بھی ہیں کہ ہمارے فلاں حضرت جی اور فلاں شیخ کسی خوبصورت لڑکے کو دیکھ کر وجد میں آگئے اور رقص کرنے لگے۔ یہ صوفیاء کا وجد وجد شیطانی ہے۔

۴۔صوفیاء کے منہج تصوف کا چوتھا مصدر ''الہام'' ہے۔

الہام کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز دل میں ڈال دی جائے کہ فلاں چیز ایسی ہوگی اور ویسی ہوگی، یہ حق ہے یہ ناحق ہے، اس کو الہام کہتے ہیں۔ یہ بھی صوفیاء کے وہاں ایک مصدر ہے۔

کشف اور الہام میں فرق:

کشف والہام میں فرق یہ ہے کہ کشف میں بندہ اپنی آنکھوں سے کچھ ایسے غیبی امور دیکھ لیتا ہے جو عام آدمی نہیں دیکھ سکتے ہیں یعنی اس کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے۔

علماء اہل سنت والجماعت کی نظر میں الہام کی حیثیت:

کتاب وسنت کی روشن میں الہام بھی دو قسم کا ہوتا ہے الہام ربانی اور الہام شیطانی۔

الہام ربانی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دلوں میں کسی چیز کی حقیقت کا علم وادراک پیدا کردے یا ڈال دے۔ جو کتاب وسنت کے موافق ہو، دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نیک کام کے ادراک اور عمل کی توفیق ملنا، مثال کی طور پر، اگر کوئی مومن کسی جگہ سے گزر رہا تھا، پھر دیکھا کہ یہاں پر مسجد بنانی چاہئے، اور واقعتاً وہاں مسجد کی ضرورت تھی تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایسی بات ڈال دی جس کی ضرورت بھی تھی۔

لیکن اگر اس کا الہام کتاب وسنت کے خلاف ہے تو وہ الہام شیطانی یا شیطانی وسوسہ ہے۔

کیونکہ قرآن میں آیا ہے:

وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلَىٰٓ أَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾ [الانعام: ۱۲۱]

یعنی، اور بے شک شیاطین اپنے اولیاء کی طرف وحی کرتے ہیں یعنی ان کے دلوں میں وہ بھی بات ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں، اور تم لوگ ان کے کہے پر چلو گے تو تم لوگ یقیناً مشرک ہو جاؤ گے۔''

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک آدمی یہ دعویٰ کرے کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ فلاں کو قتل کروں جبکہ وہ بے گناہ ہے۔ یا کہے مجھے الہام ہوا ہے کہ فلاں جگہ پہ درگاہ بنا دی جائے تو یہ سب شیطانی الہام ہے۔

منہج سلف کے مطابق اگر کسی کے دل میں کوئی نیک بات آ گئی تو پہلے اس شخص کے ایمان وعمل کو کتاب وسنت کی روشنی میں جانچیں گے پھر اس کے دعوے کو بھی کتاب وسنت پر پیش کریں گے، اگر کتاب وسنت کے خلاف نہیں ہے تو اسے اللہ کی طرف سے سمجھا جائے گا اور اگر کتاب وسنت کے خلاف ہے تو اسے شیطانی وسوسہ سمجھا جائے گا۔

صوفیاء کہتے ہیں ہمارے اولیاء میں اتنی فراست ہوتی ہے کہ وہ صرف دیکھ کر بتاتے ہیں کہ آپ بھوکے ہو یا پیاسے ہو آپ پریشان حال ہیں کہ خوش حال۔ اور جب کوئی ملنے آئے تو اسے دیکھ کے بتا دیتے ہیں آپ فلاں جگہ سے آئے ہیں!! میرے لئے یہ چیز لائے ہیں! آپ فلاں بات دل میں سوچ رہے ہیں!!

اور واقعتاً بسا اوقات ایسا ہوتا بھی ہے۔

لیکن یہ ان کے رحمانی و ربانی صفت ہونے کی علامت نہیں ہے کیونکہ ان میں سے اکثر جن وشیاطین سے استعانت طلب کرتے ہیں اور شیاطین ان کے لیے کام کرتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

۵۔خواب

صوفیاء کے منہج تصوف کا پانچواں مصدر خواب ہے۔

خواب صوفیاء کے منہج تصوف کا اہم مصدر ہے ان کے نزدیک خواب وحی الٰہی کی طرح ہے۔

خواب کی حقیقت:

نیند کے عالم میں دل سے کسی چیز کے ادراک واحساس کا نام خواب ہے، اور خواب کے تین اقسام ہیں۔

۱۔خواب میں ایسی چیز دکھائی دے جو ہو بہو اسی طرح مستقبل میں پیش آنے والا ہو۔

۲۔اس کی تمثیل دکھائی جائے یعنی مستقبل میں پیش آنے والا کوئی واقعہ کو اپنی حقیقی شکل میں نہیں بلکہ تمثیل وتقریب کی شکل میں دکھائی دے۔

پھر اس فن کے ماہرین اہل علم اور اہل بصیرت سے اس کی تعبیر وتفسیر معلوم کی جائے۔

جیسے قرآن میں مذکور حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے مستقبل کے متعلق جو خواب تھا جس میں دیکھا تھا کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے انھیں سجدہ کر رہے ہیں۔

اسی طرح جیل میں دو شخص نے خواب دیکھا تھا، پھر یوسف علیہ السلام سے اس کی تعبیر و

تاویل دریافت کی تھی۔

یا اس وقت کے بادشاہ مصر نے قحط سالی سے متعلق جو خواب دیکھا تھا، یہ سارے خواب مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی تمثیل وتقریب تھے۔

۳۔خواب کی تیسری قسم پراگندہ خیالات یا شیطانی وسوسے ہیں۔ جسے قرآن میں اُضغاث احلام بھی کہا گیا۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک بندۂ مومن کا خواب ایک حقیقت ہے اور اس کی اہمیت بھی ہے۔ بخاری وغیرہ کی روایت ہے ''بندہ مومن کا نیک خواب نبوت کے چھیالیس حصے میں سے ایک حصہ ہے۔''

وہ ایک ایسا ادراک ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ جا کر فلاں کے دل میں یہ چیز ڈال کر آجاؤ۔

اور یہ بات یادرہنا چاہیے کہ انبیاء کا خواب تو وحی الٰہی ہے۔

لیکن عام لوگوں کے خواب مذکورہ تینوں قسموں کے خواب میں سے کسی بھی قسم کے ہو سکتے ہیں، اس لیئے اگر کوئی شخص کوئی خواب دیکھے تو شریعت کا حکم ہے کہ ہر کسی سے اپنا خواب بیان نہ کرے۔

بلکہ اس فن کے ماہرین اہل علم وفضل سے ان میں بھی جس سے دینی وایمانی محبت ہو صرف اسی سے بیان کرے تاکہ وہ اپنے علم اور اخلاص سے اس کی سچی تعبیر وتاویل بتا سکیں۔

اور اگر برا خواب ہے تو اسے شیطان کی طرف سے وسوسہ سمجھے اور کسی سے بھی بیان نہ کریں۔ بلکہ شیطان کے وسوسوں اور برے خواب کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔

کہنے کا مطلب ہے خواب کی حقیقت ہے لیکن خواب بہرحال وحی کا درجہ نہیں پا سکتا ہے۔

مگر صوفیاء کے وہاں خواب کے تعلق سے عموما اور بزرگوں کے خواب کے تعلق سے خصوصا بہت غلو آمیز رویہ پایا جاتا ہے

ان کے خواب کو انبیاء کے خواب کی طرح سمجھ جاتا ہے اور یہی اصل گمراہی ہے جو

تصوف سے پھیلی ہے۔

شیطان ان صوفیاء کے خواب میں آ کے بہت ساری باتیں بتاتا ہے تاکہ وہ غیب کا دعویٰ کریں اور لوگ ان کی تصدیق کریں۔ اور قرآن وسنت سے انھیں دور کرے اور خواب پر ہی ان کا اعتماد ہوجائے۔

چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں حضرت آج میں نے نبی ﷺ سے ملاقات کی، فلاں بزرگ سے ملاقات کی، آج میں مکہ میں تھا مدینے میں تھا وغیرہ وغیرہ۔

شیطان اسی طرح کے لوگوں کے سامنے ہری ہری گھاس لا کے ڈالتا ہے اور لوگ خوش ہوکر کہتے ہیں ہم تو پہنچ گئے، ہم تو ولی ہو گئے۔ واللہ المستعان۔

۶۔صوفیاء کے منہج تصوف کا چھٹا مصدر ''طرق صوفیاء'' ہے۔

طرق: طریقہ کی جمع ہے، شریعت کے مقابلے میں، یا اس سے مختلف تزکیۂ نفس کی خاطر مخصوص ذکر واذکار اور مخصوص قسم کی عبادت وریاضت کو طریقت کہا جاتا ہے۔

جس طرح سے فقہ کے بہت سارے مدارس ومسالک ہیں۔ اسی طرح طریقت کے بہت سے مکتب فکر ہیں ان میں سے جو بہت مشہور ہیں ان کا مختصر تعارف کیا جارہا ہے۔

۱۔طریقۂ قادریہ: اس کی نسبت شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف کی جاتی ہے، جن کا تعلق عراق سے ہے۔

۲۔طریقۂ رفاعیہ: جن کی نسبت احمد بن حسین الرفاعی کی طرف ہے جنھوں نے بصرہ میں اپنی زندگی گزاری۔

۳۔طریقۂ شاذلیہ: ابوالحسن ابن علی بن عبداللہ، یہ تونس کے رہنے والے تھے اور مصر میں جا کے انھوں نے زندگی گزاری۔ مصر صوفیاء کا بہت بڑا مرکز تھا۔

۴۔طریقۂ احمدیہ: یہ احمد بدوی کی طرف منسوب ہے یہ مصر میں ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے یہاں خواجہ اجمیری صاحب ہیں۔

۵۔طریقۂ نقشبندیہ: نقشبندیت یہ عجم میں پھیلی ہوئی ہے۔ ترکی، ہندوستان، پاکستان،

بنگلہ دیش وغیرہ میں۔ یہ فرقہ بہاؤالدین محمد ابن محمد بخاری نقشبندی کی طرف منسوب ہے یہ صاحب بخارا کے رہنے والے تھے۔

۶۔فرقۂ تیجانیہ: یہ فرقہ احمد تیجانی سے منسوب ہے جو مغرب کے رہنے والے تھے اور انگریزوں کے بڑے محبوب تھے، اور اکثر صوفیاء صلح کل کے منہج پر ہوتے تھے، اس لئے آج بھی مغربی دنیا کہتی ہے ہمیں وہ اسلام چاہیے جو صوفیاء کا اسلام ہے ہمیں سلفی اسلام نہیں چاہیے جو لوگوں کو حلال حرام بتا کر تشدد سکھاتا ہے۔ ہمیں وہ چاہیے جو سب کے ساتھ صلح وآشتی کے ساتھ رہنا سکھاتا ہے۔ یعنی صلح کل والا دین چاہیے جو صرف صوفیاء کا ہوسکتا ہے۔

۷۔طریقۂ سنوسیہ: یہ فرقہ محمد بن جزائری السنوسی کی طرف منسوب ہے۔

۸۔طریقۂ چشتیہ: یہ فرقہ دہلی میں نظام الدین اولیاء کی طرف منسوب ہے۔

یہ صاحب حقہ پیا کرتے تھے، کسی نے انھیں ٹوکا تو کہا جناب یہ آپ کا میدان نہیں ہے، یہاں پر فقہ کے احکام نہیں نافذ ہوتے۔ ہم وہ لوگ ہیں جو ان سب سے پار ہو چکے ہیں۔ یہاں تو روح کی دنیا ہے، نفس کی دنیا ہے، یہاں وجد کی دنیا ہے، یہاں ذوق کی دنیا ہے، کشف وکرامات کی دنیا ہے۔ واللہ المستعان۔

عالم اسلام میں پھیلے ہوئے طرق صوفیاء کے یہ اہم مکاتب فکر ہیں جن کے بڑے بڑے مرکز اور درگاہیں وخانقاہیں ہیں اور ان کی تمویل اور امداد کے لئے اوقاف اور دیگر بیش قیمت وسائل ہوتے ہیں۔

تصوف میں ظاہر اور باطن کی اصطلاح:

تصوف کا فتنہ مختلف مراحل سے گزرا ہے۔ یہ اصل میں زہد اور تزکیہ نفس کے نام پر وجود میں آیا لیکن پھر دوسری قوموں کے عابد وزاہد مسلمان ہوئے تو زہد اور تزکیہ نفس کے بہت سے غیر اسلامی نظریات کو اسلامی تزکیہ نفس کے اصولوں میں خلط ملط کر دیا۔

اسی خلط مبحث کے نتیجے میں اہل تصوّف نے دعوی کیا ہے کہ اسلام کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہر ہے، جس میں ہمارے ظاہری اعمال ہیں اور اس میں عوام اور خواص سبھی شریک ہیں۔

جیسے نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ جیسے ظاہری شرعی اعمال وعبادات جو سب کو معلوم ہیں، جن کو شریعت کہا جاتا ہے۔

اور دوسرا پہلو باطن کا ہے جس کا تعلق نفس اور تزکیۂ نفس سے ہے جس کو طریقت کہا جاتا ہے، پھر اس ایجاد بندہ طریقت کے لیے خاص قسم کے اوراد وظائف اور خاص قسم کی ریاضت اور مختلف قسم کے اصول وضوابط بھی وضع کئے گئے پھر مختلف قسم کی ریاضتوں کے ساتھ مختلف ناموں سے متعدد طرق وجود میں آ گئے، اور تقریبا ہر منہج طریقت میں اتنی وسعت رکھی گئی کہ جو بھی جس طریقے سے بھی اپنے باطن کو صاف کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے وہ سب ان کے نزدیک جائز ہے اور یہ کہا گیا کہ اللہ تک پہونچنے کے لا تعداد راستے ہیں لیکن کسی بھی طریقت میں داخل ہونے کے لئے شیخ طریقت کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری ہے۔

ریاضت کے لئے پہلے تو کوئی خاص مقام یا سینٹر نہیں ہوتا تھا، کسی بھی مسجد یا مدرسہ یا گھر میں طریقت کو اپنا یا جا سکتا تھا۔ لیکن آگے چل کر اس کے لئے خانقاہ کے نام سے خاص مراکز بنالئے گئے اور مساجد اور مدرسوں کو ظاہری شریعت کی تعلیم کے لیے خاص کرلیا گیا اور باطن کے تزکیہ کے لئے خانقاہ کو خاص کیا گیا، جہاں پر باطنی علوم وفنون پر مشتمل مخصوص کتابوں کی تعلیم کے لئے خصوصی اساتذہ اور خصوصی شیوخ طریقت متعین کئے گئے۔

تصوف کی راہ پر چلنے والوں کے مختلف مراتب ومقامات ہیں اور ہر مقام کے لئے مخصوص وصف یا لقب مثلاً سالک، عارف، ولی، قطب، ابدال، غوث، اور غوث اعظم جیسے منفرد القاب واوصاف، اور ان کا اعتقاد ہے کہ جب کوئی ولی ولایت کے آخری مقام یعنی مقام غوثیت پر پہنچ جاتا ہے تو پھر وہی دنیا کو چلاتا ہے، والعیاذ باللہ

تصوف کے رؤساء ضلال:

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ شروع میں صوفیاء زہد کے پابند تھے اور اللہ کی بندگی کتاب وسنت کے مطابق کرتے تھے۔ مگر بعد میں ان میں علم اور دینی بصیرت کی کمی کی وجہ سے انحراف کا شکار ہو کر گمراہ ہو گئے گو کہ ان کی نیتیں صحیح تھیں، انھیں گمراہ لوگوں میں ''ابو یزید بسطامی''، منصور

الحلاج: جس نے کہا تھا ''انا الحق'' یعنی میں ہی رب ہوں۔ اس پر حاکم وقت نے اسے پھانسی کی سزادی تھی۔ مگر پھانسی پر چڑھتے ہوئے بھی مسکراتا رہا اور کہتا رہا انا الحق والعیاذ باللہ۔

اور جو بھی ایسے غلو آمیز تصوّف میں پڑا تو پھر وہ زندیق وملحد ہوگیا، پھر اسے احساس تک نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح ابن عربی ہے اس کا لقب محی الدین ہے اور اہل طریقت کے نزدیک امام اکبر کے نام سے بھی مشہور ہے

علماء محققین نے ان کی تکفیر کی ہے ان کی تحریروں میں الحادو زندقہ پایا جاتا ہے، انہوں نے اپنی کتابوں میں بہت ساری خرافات لکھی ہیں، ولایت کے تعلق سے ان کا نظریہ انتہائی غلط اور قابل اعتراض ہے، ان کی وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی ہے۔

اسی طرح جلال الدین رومی نام کی ایک شخصیت جنھیں مولانا رومی بھی کہتے ہیں ان کا تعلق ترکی سے ہے، بہت بڑے شاعر تھے۔ ان کے قصیدے اور نظمیں بہت مشہور ہیں۔ علامہ اقبال ان کی شاعری سے بہت زیادہ متاثر تھے یہ غالی قسم کے صوفی اور وحدت الوجود جیسے گمراہ کن نظریہ کے قائل تھے، ترکی میں ان کی قبر بڑے شان وشوکت سے بنائی گئی ہے اور وہاں زائرین اور معتقدین کا بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے اور رقص وسماع کی محفلیں سجائی جاتی ہیں۔

امت مسلمہ پر تصوف کے خطرناک اثرات:۔

تصوّف نے امت مسلمہ کے اندر ایمان وعقیدہ کو غارت کرنے والے بہت سے برے اثرات چھوڑے ہیں۔ ان میں سب سے اہم اور خطرناک برائی یہ ہے کہ قبروں سے غلو آمیز عقیدت وابستہ ہوگئی اکثر خانقاہوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی قبر ہوتی ہے، جب بھی کوئی ولی اور صوفی مرتا ہے تو اس کی قبر کو مزار بنا دیا جاتا ہے۔ اس طرح سے عوام کو قبروں میں مدفون مُردوں سے وسیلہ اور مراقبہ اور استغاثہ اور استمداد جیسی شرکیہ گمراہیوں کو ان کے مزاج میں داخل کردیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجدیں ویران ہوگئیں اور درگاہیں، مزارات اور خانقاہیں آباد

ہو گئیں، یعنی لوگوں کو اللہ سے دور کر دیا گیا اور غیر اللہ سے جوڑ دیا گیا۔

دوسری چیز یہ کہ ان کے ذہنوں میں اوہام وخرافات پیدا ہو گئے۔ اسی لئے اسی خانقاہ سے انگوٹھی اور پیر صاحب سے دھاگے لے کر آتے ہیں اور اسے مقدس اور تبرکات سمجھتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا غیر مسلم اپنے ہاتھوں پر دھاگا باندھتے ہیں تو مسلمان بھی درگاہوں اور خانقاہوں سے دھاگے باندھ کے آتا ہے اور اسے تبرّک اور آفتوں سے نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے والعیاذ باللہ۔

علماء سلف نے ہمیشہ تصوّف کی خطرناکیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے اور تنبیہ کی ہے کہ یہ امت کے لئے بہت بڑا فتنہ ہے، اس کی تردید وتنقید میں بہت ساری کتابیں بھی لکھی گئیں ہیں، اور اب بھی لکھی جارہیں ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھنا چاہیے اور ان کو نشر بھی کرنا چاہیے اور ان کو عام کرنا چاہیے تاکہ قوم کو اس فتنے سے آگاہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس فتنے سے امت کو محفوظ رکھے۔ آمین

برصغیر میں مذہبِ حنفی سے منسوب دو جماعتیں:

ابھی تک ہم تصوّف کے تعلق سے باتیں ذکر کر رہے تھے۔ آگے کا موضوع ہے برِصغیر ہندو پاک اور بنگلہ دیش، میں مذہبِ حنفی سے منسوب دو بڑی جماعتوں کا تذکرہ۔ جن میں ایک کا نام بریلویت ہے اور دوسرے کا نام دیوبندیت ہے۔

اور دونوں کی نسبت مکانی ہے، نہ دینی ہے نہ ایمانی ہے۔ ایک کی نسبت یوپی کے شہر بریلی کی طرف ہے اور دوسرے کی نسبت یوپی ہی کے شہر دیوبند کی طرف ہے۔ ہم کیوں ان دو گروپ کا تذکرہ کر رہے ہیں یہ آپ کو بتا دیں۔ کیوں کہ ہمارا موضوع ہے اختلافِ امت اور حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں مسلمانوں کے اندر انتشار اور اختلاف کا دائرہ وسیع کرنے اور منہجِ کتاب وسنت پر امت کے اندر اتحاد واتفاق کی کوششوں کو ناکام بنانے میں دونوں گروپوں کا بہت غلط کردار رہا ہے، اس لئے ان کا تذکرہ ہمارے موضوع کا اہم حصہ ہے۔ یہ دونوں گروپ ایسے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر بظاہر کہنے کو تو اتحاد اور اتفاق کی دعوت دیتے ہیں لیکن باطن میں

دونوں گروپوں کا کردار ایسا ہے جس سے امت کے اندر انتشار پھیلتا ہے اور اتحاد اور اتفاق کی راہ میں کتاب وسنت کے مطابق اور اس منہج پر جو کوششیں کی جاتیں ہیں، دونوں اس مبارک کوشش کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اس لئے اختلاف کے باب میں ان دونوں کا تذکرہ ضروری ہے۔

آیئے! سب سے پہلے بریلویت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ کیسے وجود میں آئی اور اس کے کیا افکار ونظریات ہیں۔

۸۔فرقہ بریلویت:

بریلویت کا قیام شہر بریلی کے مشہور عالم دین کے ہاتھوں ہوا جن کا نام تھا احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی بن کاظم علی۔ خان

احمد رضا خان کی ولادت ۱۸۵۶ عیسوی اور وفات ۱۹۲۱ عیسوی ہے۔

شجرۂ نسب سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کا تعلق شیعہ خاندان سے رہا ہے اور واقعتاً بعض علماء نے جس میں علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی ہیں۔ بریلویت پر تصنیف کردہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حقیقت میں ان کا خاندان شیعہ یا تشیّع سے تعلق رکھتا ہے۔

لیکن سنّیت کا مظاہرہ کیا اور مسلمانان ہند کے درمیان ''بزعم خود'' اہل سنت والجماعت نام کی تحریک چلا کر اپنے خود ساختہ نظریات کے مطابق مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن جس طرح سے ان کا رول رہا ہے اور جس طرح سے ان کے خیالات اور نظریات رہے ہیں ان سے تائید ہوتی ہے کہ ان کو سنت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی اہل سنت سے کوئی تعلق تھا، بلکہ اہل سنت کی تکفیر کرنے میں ساری عمر گزار دی۔

اس کے برعکس ان کی کوئی تحریر اور تقریر ایسی نہیں ملتی ہے جس میں انھوں نے کلی طور پر شیعیت پر رد کیا ہو، یا ان کے خلاف کبھی قلم چلایا ہو۔ جبکہ برصغیر میں یا دنیا میں کوئی بھی سنی تحریک اٹھی ہو تو اس نے کسی نہ کسی مناسبت سے شیعیت کی تردید کی ہے۔ یہ واحد تحریک ہے جس نے اپنی پوری تاریخ میں شیعیت کے خلاف نہ کبھی زبان کھولی ہے نہ قلم چلایا ہے۔ مگر

اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ توحید وسنت کی دعوت دینے والوں کی مجلسوں میں شریک ہونے سے منع کرتے رہے ہیں اور سماجی اور معاشرتی زندگی میں ان سے قطع تعلقی کا فتویٰ دیتے رہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ ساری بریلوی قوم کے اندر شیعوں سے وفاداری اور محبت کا جذبہ پایا جاتا ہے اور عیدین کے علاوہ ان کی ایجاد کردہ دینی مناسبتیں شیعوں کے عقائد سے قربت و موافقت رکھتی ہیں۔ جیسے عاشوراء کی مناسبت سے تعزیہ بنانا اور اہل بیت کے تعلق سے جو بھی بدعتیں ایجاد کی گئیں ہیں وہ سب ان کے وہاں بھی ہوتی ہیں یا ان کے ساتھ شریک ہو کر منائی جاتی ہیں۔ اور ساتھ ساتھ بنوامیہ اور ان کے حکمرانوں سے بغض وعناد جیسے شیعوں کو ہے ویسے ان کو بھی ہے۔ اسی طرح سے اہل قبور سے غلو آمیز عقیدہ رکھنا، ان سے استغاثہ کرنا ان کا وسیلہ اختیار کرنا، ان کی قبروں پر عرس منانا وغیرہ امور میں کافی حد تک بریلویت اور شیعیت ہم خیال و ہم اعمال نظر آتے ہیں۔

فرقہ بریلویہ کے بنیادی عقائد اور نظریات:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں ان کے عقائد میں مختلف قسم کا انحراف اور فساد پایا جاتا ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت کے تعلق سے توحید کا جو عقیدہ کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اس کے خلاف ان کے عقیدے میں خلل ہے۔ جیسے ان کا اعتقاد ہے کہ اولیاء کرام جو غوثیت کے مقام پر فائز ہوتے ہیں وہ بھی نفع ونقصان کے مالک ہیں، بلکہ نظامِ حیات چلانے میں ان کا بھی کردار ہے۔

اور توحیدِ الوہیت میں بھی غیر معمولی فساد ہے اسی لئے وہ ساری عبادتیں جو صرف اللہ کے لئے خاص ہیں وہ اپنے اولیاء کے لئے بھی جائز سمجھتے ہیں۔

مثلاً ان سے استغاثہ کرنا، ان کے لئے نذر ماننا، اور قیام، سجدہ، طواف، قربانی، خوف اور امید وغیرہ جیسے عبودیت کے مظاہر اپنے اولیاء کرام کے لئے بھی بجالاتے ہیں اسی طرح جیسے اللہ کے لئے کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کے منجملہ عقائد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے، بلکہ معاذ اللہ وہ اولیاء کرام کے وجود اوران کی شخصیت میں حلول بھی کر جاتا ہے یعنی ان کی ذات میں سما جاتا ہے۔

اوراس سے بھی خطرناک امر یہ ہے کہ ساری کائنات میں جو بھی آپ کو نظر آتا ہے ان سب کو اللہ کا مظہر سمجھتے ہیں جس کو صوفیاء کی اصطلاح میں وحدت الوجود کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کائنات کی ہر چیز میں حلول کر گیا اس کا مطلب ساری کائنات کا وجود اللہ سبحانہ کا وجود ہے جیسے کہ صوفیاء کا عقیدہ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کسی کی بھی عبادت کرے وہ اللہ سبحانہ کی عبادت ہوگی

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ [الاسراء: ۴۳]

صوفیاء کی طرف منسوب ان کی کتابوں میں جن اقوال وافعال وحرکات کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ناقابلِ بیان ہیں، کوئی چاہے تو اولیاء کی سیرت میں لکھی گئی وہ کتابیں پڑھ لے جسے خود صوفیاء کے عقیدت مندوں نے مرتّب کی ہے .مثال کے طور پر شعرانی کی کتاب ''طبقات الاولیاء''، اور نبہانی کی کتاب ''جامع کرامات الاولیاء''، ان میں اولیاء کے متعلق ایسی ایسی باتیں لکھی ہے جنہیں زبان پر لانا بھی مشکل ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے ان کا ایمان وعقیدہ بھی کتاب وسنت اوراجماعِ صحابہ کے خلاف اورانتہائی غلو آمیز گمراہیوں پر مبنی ہے۔

مثلاً:

۱۔ ان کا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات نور سے بنی ہے۔ عام انسانوں کی طرح آپ کی تخلیق نہیں ہوئی ہے جیسے کہ قرآن کریم میں انسانی تخلیق کا ذکر ہے۔

اسی لیے یہ اعتقاد بھی گھڑلیا کہ ان کا کوئی سایہ نہیں تھا کیونکہ نور کا کوئی سایہ نہیں ہوتا۔

۲۔ آپ بشر نہیں تھے صرف بشر کے روپ میں مافَوق البشر تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرح آپ بھی عالم الغیب تھے اور غیب کی ساری چابیاں اللہ تعالیٰ

نے آپ کو عنایت کر دی تھیں جواب بھی آپ کے پاس ہیں۔

۴۔آپ کی موت کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں آپ کی موت نہیں ہوئی۔ بلکہ آپ پردے میں چلے گئے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ پردے میں ہے۔

اسی لئے میلاد کی محفل میں ایک کرسی خالی رکھی جاتی ہے۔ اس اعتقاد کے تحت کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر تشریف فرما ہیں مگر پردے میں ہوتے ہیں اس لئے عام لوگ انہیں دیکھ نہیں سکتے ہیں، محفل میلاد ہی نہیں بلکہ وہ تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ اور اسی بنیاد پر جس طرح اللہ تعالیٰ کو یا اللہ کہہ کر اس سے استغاثہ کیا جاتا ہے، اسی طرح ان کے نزدیک یا رسول اللہ کہہ کر آپ سے بھی استغاثہ کرنا مشروع اور مقدس عمل ہے۔ بلکہ ان کے نزدیک تمام اولیاء سے استغاثہ کرنا جائز ہے چاہے وہ زندہ باحیات ہوں یا قبروں میں مدفون ہوں کیوں کہ ان کے نزدیک اولیاء مرتے نہیں ہیں بلکہ ان کا وصال ہوتا ہے اور وہ پردۂ غیب میں چلے جاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

۵۔ ان کے نزدیک آپ کے بارے میں یہ بھی عقیدہ ہے کہ آپ مختار کل ہیں۔ ایک نے تو حد کر دی اور یہاں تک کہہ دیا:

وہی جو مستوی عرش تھا خدا بن کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰ بن کر

معاذ اللہ۔ اس سے بڑا کفر و شرک اور کیا ہوگا!؟

یہ لوگ اپنی نعتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثناء اس طرح سے کرتے ہیں کہ جس سے اللہ کی شان میں گستاخی و بے ادبی اور بسا اوقات کفر بھی لازم آتا ہے، چنانچہ کسی گستاخ نے یہ بھی کہہ دیا:

اللہ کے پلڑے میں وحدت کے سوا کیا ہے
لینا ہے ہمیں جو کچھ لے لیں گے محمد سے

والعیاذ باللہ۔ یہ ان کا اعتقاد ہے۔

اور اللہ تعالیٰ قرآن میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتا ہے:

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ [الجن:٢١]

یعنی (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں کے لیے نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔

دوسری جگہ عقیدۂ توحید کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾ [الاعراف:١٨٨]

یعنی (اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنے نفس کے لئے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے، اور اگر میں غیب کو جانتا تو بہت زیادہ خیر کرتا، اور مجھے تکلیف نہ پہونچتی، میں تو ایمان لانے والی قوم کے لئے اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا، اور اس کی جنت کی خوش خبری دینے والا ہوں۔

اولیاء اللہ کے تعلق سے بریلوی فرقے کے عقائد

وہ اولیاء جو ان کے خیال میں اور ان کے زعم میں اولیاء ہیں ان کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ انتہائی فساد پر مبنی ہے۔ سب سے اہم جو ان کا گمراہ کن عقیدہ ہے وہ ہے حلول اور وحدت الوجود کا عقیدہ۔ اس کی بنیاد پر ان کے گمان میں ہر ولی ربوبیت اور الوہیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی لئے ان کے اندر عصمت کا اعتقاد رکھتے ہیں یعنی جو ولی ہے وہ ان کی نظر میں معصوم ہوتا ہے۔ بعض صوفیاء کی نظر میں ولی کی عصمت انبیاء کی عصمت سے بھی عظیم ہوتی ہے۔

اس لئے ولی کتنا بھی خلافِ شرع کام کر رہا ہو اس کے اوپر کوئی نکیر نہیں کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ ان کا اعتقاد ہے کہ ہم ولی کا ظاہر دیکھ رہے ہیں لیکن اس کا باطن ہماری نگاہوں میں نہیں ہے۔ باطن میں وہ کیا ہے وہ ہم نہیں دیکھتے اس لئے ظاہری عمل سے ان پر کوئی حکم نہیں لگا سکتے ہیں۔ اولیاء کے تعلق سے اسی طرح کے اعتقادات کی بنیاد پر ان سے اسغاثہ کرنا، ان سے مدد مانگنا، مرنے کے بعد ان کی قبروں پر مزار بنا کر اعتکاف کرنا، طواف کرنا، منتیں مانگنا،

مرادیں مانگنا نیک عمل سمجھا جاتا ہے اور پھر ان سب مقاصد کے لئے وہاں کا سفر کرنا حج وعمرہ کی طرح متبرک ومقدس سفر تصور کیا جاتا ہے۔ واللہ المستعان۔

اور مزاروں پر ہونے والے عرسوں میں شرک و بدعت، قوالی اور مجرا، اور غیر محرم مردوں عورتوں کے اختلاط کے ذریعے الحاد، فسق وفجور کو دین کے نام پر رواج دینا یہ سب اس قوم کی پہچان ہے۔ اور پھر بھی اہل سنت والجماعت کا لیبل اختیار کرنا، اور جو بھی ان سب کی مخالفت کرے اس کو کافر کہنا اس قوم کی علامت بن چکی ہے۔

یہ ہے بریلویت کا مختصر تعارف۔ ان سب پر تبصرہ کرنے کے لئے بہت زیادہ علم نہیں چاہئے۔ ایک عام انسان بھی اگر اسے قرآن وحدیث کا علم نہ بھی ہو لیکن صرف فطرت پہ ہو تو بھی وہ سمجھ جائے گا کہ یہ سب خرافات ہیں اور ان کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ دینِ اسلام خالص توحید کا دین ہے اور خالص ہونے کے ساتھ محفوظ بھی ہے اور ایک انسان اللہ تعالیٰ کے بارے میں یا نبی ﷺ کے بارے میں آئی ہوئی قرآن کی عام آیتیں پڑھ لے تو اس کی سمجھ میں آجائے گا کہ یہ سب خرافات کا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرے تو اسے ایک ایسی شخصیت نظر آئے گی جو انسان ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، بھوکا اور پیاسا بھی رہتا ہے، بیمار بھی ہوتا ہے، مارے بھی گئے، ستائے بھی گئے اور موت بھی آئی تو آخر آپ کے بشر ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بریلویت خرافات واوہام اور شرک وبدعات کا مجموعہ ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اگر ایک انسان جس کو قرآن وسنت کا علم ہو اس کے باوجود بھی ان خرافات پر یقین رکھتا ہو تو اس کے مشرک ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔

بریلویت سے متعلق اہل سنت والجماعت کا موقِف

بریلویت سے متعلق اہل سنت والجماعت کا موقِف کیا ہے؟ اسے جاننے کے لیے آپ فتاوٰی پڑھیں جو دار الافتاء سعودی عرب کی طرف سے ہے۔ اس میں شیخ ابن باز کا فتویٰ ہے۔

شیخ ابن باز سے کسی پاکستانی سائل نے سوال کیا ''شیخ، ہمارے یہاں ایک گروپ ہے جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتا ہے اور اس کے یہ اور یہ عقائد ہیں (جو ہم نے اب تک ذکر کئے ہیں) تو کیا ان کے پیچھے نماز ہوگی؟ تو آپ نے سنتے ہی بلاتردد کہا:

''لا لا، هٰؤلاء كفار، هٰؤلاء مشركون، لا يجوز الصلاة وراءهم''
یعنی یہ لوگ کفر کی راہ پر ہیں، یہ لوگ مشرک ہیں، ان کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔

جو انسان دین کے ایسے واضح امور جن کا علم قطعیت کے ساتھ قرآن وحدیث میں موجود ہے، اس کا انکار کرے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت، آپ کی نبوت، اللہ کی ربوبیت، اس کی الوہیت اور اس کی جگہ دوسرا عقیدہ گھڑ کے اسلام سے جوڑے، یہ اگر شرک نہیں ہے تو دنیا میں کہیں بھی کوئی بھی شرک نہیں ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو ان کا اعتقاد ہے اس اعتقاد کو اگر شرک نہیں مانا جاتا ہے تو دنیا میں کوئی شرک نہیں ہے۔ اگر اللہ کی شان میں جو ان کی گستاخیاں ہیں اس کی بنیاد پر کوئی کفر میں نہیں پڑے گا تو پھر دنیا میں کسی کے پاس بھی کفر نہیں ہے۔ نہ یہودی کافر ہے نہ یہودی مشرک ہے نہ ہی نصرانی مشرک اور کافر ہے۔ اگر ان سب چیزوں کو ہم کفر اور شرک نہیں سمجھتے ہیں جو اس قوم کے پاس ہے تو دنیا میں کسی قوم کے پاس بھی کفر اور شرک نہیں ہے۔ العیاذ باللہ۔

اب آتے ہیں احناف کے دوسرے مکتبہ فکر کی طرف، برِصغیر کا دوسرا مکتبہ فکر جس کا نام ہے دیوبندیت۔ اور یہ بریلوی اور دیوبندی دونوں ہی اپنی نسبت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کرتے ہیں۔ اور لطف کی بات ہے کہ دونوں ہی آپس میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو مسلمان کہنے کو تیار نہیں ہیں اور دونوں ہی کہتے ہیں کہ ہماری نسبت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ یہ امام کی طرف جھوٹی نسبت کرتا ہے۔ بریلویت کو ہم نے جانا اور اس کو پہچانا، اس کے افکار ونظریات اور عقائد کی روشنی میں۔

۹۔ فرقہ دیوبندیت

اب آیئے دیوبندیت کو بھی پہچانتے ہیں۔

دیوبندیت کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ہندوستان کے ایک مشہور عالمِ دین جن کا نام تھا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے رفیق خاص مولانا رشید احمد گنگوہی ان دونوں نے مل کر دیوبند شہر میں ۱۸۶۶ء میں ایک دینی ادارہ دار العلوم کے نام سے قائم کیا۔ یہ اس وقت قائم کیا تھا جب انگریزوں کا دور تھا اور ملک استعمار کے تحت تھا۔ مقصد اس ادارے کو قائم کرنے کا ایک تو یہ تھا کہ جو نوجوان جدید تعلیم سے، عصری تعلیم سے اور انگریزی تعلیم حاصل کر کے انگریزی تہذیب وثقافت سے متاثر ہوتا جا رہا ہے اور مغربی تہذیب کو اختیار کرتا جا رہا ہے اس تہذیب وثقافت سے بچانے اور دینی تربیت کے لیے یہ ادارہ قائم کیا گیا تھا۔

اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ جو تقلیدی منہج ہے مذہب حنفی کا اس کا بھی تحفظ کیا جائے کیونکہ لوگ نئی تعلیم حاصل کر کے نئے علوم پڑھ کر مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو کے اپنے تقلیدی منہج کو بھی چھوڑ دیتے ہیں اور آزاد ہو جاتے ہیں۔ اس لیے دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ ان کو اسی منہج، اسی دائرے اور اسی حصار میں رکھا جائے جو آباء واجداد سے چلا آ رہا ہے یعنی تقلید مذہب حنفی۔

دیوبندیت حقیقت میں مختلف نظریات کا مجموعہ ہے۔ عقائد کے اعتبار سے یہ دیوبندی اپنے آپ کو ماتریدی کہتے ہیں یعنی عقیدے میں ماتریدی ہیں اور طریقت اور تصوّف میں ان کی اکثریت یا تو طریقۂ چشتیہ پر یا نقشبندیہ سے وابستہ ہیں اور کچھ لوگ قادری بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے یہاں اگر ایک شخص ایک ہی وقت میں کئی کئی طریقت سے بیعت کئے ہوئے ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ اس کے لیے فضیلت اور شرف کی بات ہے۔ لیکن فقہی نسبت سے کسی بھی حال میں جائز نہیں سمجھتے ہیں کہ ایک انسان حنفی ہوتے ہوئے شافعیت کو بھی قبول کر لے، حنبلیت یا مالکیت کو بھی قبول کر لے۔ اس کے لئے ان کے ادھر دائرہ تنگ ہے اور اس دائرے میں وسعت نہیں ہے، لیکن طریقت کے دائرے میں وسعت ہے جو اس منہج کا خاص امتیاز ہے۔

دار العلوم جو تعلیمی ادارہ قائم کیا گیا اس کا منہجِ تعلیم وتربیت تین اصولوں پر قائم ہے۔

۱۔ تعصب اور تشدد آمیز مذہب حنفی کی اندھی تقلید۔

۲۔منہجِ ایمان واعتقاد میں ماتریدی عقیدہ پر یقین۔
۳۔تزکیہ نفس کے لئے تصوف کے کسی نہ کسی سلسلۂ طریقت سے بیعت۔
یہ تین بنیادی عناصر ہیں جن کے مجموعے کا نام دیوبندیت ہے۔

دیوبندیت اور عقیدہ وحدت الوجود

دیوبندیت کے مختصر تعارف کے بعد آئیں اور بھی ان کی کچھ جھلکیاں دیکھتے ہیں۔ مذکورہ تین چیزیں جو اس تحریک کا امتیاز ہیں، چنانچہ ان کے اکابر میں بھی یہ چیزیں موجود تھیں، ان میں غالی قسم کا تصوّف تھا۔ چنانچہ تصوف میں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود نامی جو الحادی اور گمراہ کن نظریات پائے جاتے ہیں، دیوبندیت کے اکابر بھی ان کے قائل تھے۔

وحدت الشہود یعنی جو بھی مشاہدہ میں ہے وہ سب ایک ہی ہے۔ اور وحدۃ الوجود کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات اپنے مختلف وجود کے باوجود سب ایک ہی ذات کے وجود کے مختلف مظاہر ہیں اور اس سلسلے میں غالی قسم کے صوفیاء، جن کے کفر کا فتویٰ اہل سنت والجماعت نے لگا رکھا ہے ان کے بارے میں بھی ان کے دلوں میں نرم گوشے پائے جاتے ہیں، بلکہ ان کی تعریف اور مدح سرائی بھی ان کے بزرگوں کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً منصور الحلاّج، ابن عربی، جلال الدین رومی، ابو یزید بسطامی ان سب کے اقوال ان کی مدح و ستائش کے ساتھ اکابرین دیوبند کی کتابوں میں موجود ہیں۔

دیوبندی حضرات آج بھی ابن عربی کو محیی الدّین اور شیخ اکبر کہہ کر ہی خطاب کرتے ہیں جبکہ علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان کے کلام میں صریح کفر والحاد پایا جاتا ہے، انھوں نے جو ایمان اور عقیدے کے اندر الحاد پیدا کیا ہے اس کی روشنی میں انھیں موحد نہیں کہا جاسکتا ہے۔ علماء دیوبند کے اکابرین نے عقیدۂ وحدۃ الوجود کا اعتراف کیا ہے۔ علّامہ انور شاہ کشمیری جو دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھے اور علماء دیوبند ان کو اپنا امام سمجھتے ہیں اور بہت بڑے عالم اور اکابرین میں ان کا شمار ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ہمارے علماء ومشائخ کو عقیدہ وحدت الوجود کے عقیدے سے

بڑا شغف تھا۔'' پھر کہتے ہیں:

''لیکن میں اس میں تشدد کا قائل نہیں ہوں۔'' یعنی خود کو بھی شغف ہے لیکن تشدد کے قائل نہیں ہیں۔ یعنی دوسرے لوگ اتنے متشدد ہیں کہ اپنے مخالف کی سختی تردید کرتے ہیں یعنی جو اسے نہیں مانے گا وہ گمراہ ہوگا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تمام گمراہ فرقوں میں اہل توحید وسنت ہی کو گمراہ کہنے کی عادت ہے۔ یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی بات ہے۔

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانوی نے، جو ان کے بہت بڑے بزرگ اور عالمِ دین ہیں۔ شیخ امداد اللہ مہاجر مکی سے بھی اس عقیدے کو نقل کیا ہے۔ جو بڑے مجدّد سمجھے جاتے ہیں، ان سے اس عقیدے کی مدح وثناء بھی ذکر کی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے انھیں شیخ امداد اللہ مہاجر مکی سے وحدت الوجود کے تعلق سے بہت سی ایسی قبیح باتیں نقل کی ہیں جن کو ذکر کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔ کوئی پڑھنا چاہے تو مولانا اشرف علی کی کتابوں کا مطالعہ کرلے۔

ان کے نزدیک اس عقیدے کو تسلیم کرنے والا ہی موحد سمجھا جاتا تھا۔ موحد کا مطلب ان کی اصطلاح میں سارے موجودات کو ایک ماننا اور تعدد کا انکار کرنا وہ کہتے ہیں: ہم موحد ہیں صرف ایک ہی وجود کو ماننے والے۔ ان کی نظر میں متعدد وجود کو تسلیم کرنے والا مشرک ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں:

لاموجود اِلا اللہ

لامقصود اِلا اللہ

لامحبوب اِلا اللہ

علماء دیوبند کے عقیدہ وحدت الوجود کے بارے میں اگر تفصیل جاننا ہے تو پاکستان کے ایک محقق عالم طالب الرحمٰن کی کتاب ''دیوبندیت'' کو پڑھیں۔

دوسرا اس گروہ کا امتیاز یہ ہے کہ یہ لوگ عقیدے کے باب میں امام ابوحنیفہ کی نسبت

سے اپنے کوحنفی العقیدہ کہنے کے بجائے ابومنصور ماتریدی اور ابوالحسن اشعری کی نسبت سے ماتریدی اوراشعری کہتے ہیں۔جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔

مزید گمراہی:

ایمان اورعقائد کے بارے میں زندوں مردوں کی روحوں سے استمداد کوان کے بہت سارے علماء جائز قرار دیتے ہیں بلکہ خودبھی ایسا کرتے ہیں۔ہم نے پہلے ذکرکیا ہے کہ بریلوی علماء اولیائے کرام سے استغاثہ کو جائز قرار دیتے ہیں اور دیوبندی حضرات کہتے ہیں: ہم استغاثہ کو جائزنہیں سمجھتے ہیں،لیکن ہم استمداد کرتے ہیں۔غورکریں صرف لفظ کی ہیرا پھیری ہے معنی دونوں کاایک ہی ہے۔

عقیدے میں دیوبندیوں کی بریلیوں سے مماثلت:

جیسا کہ ذکرکیا گیا کہ فرقہ بریلویہ غیراللہ سے مدد مانگنےکواستغاثہ کہتے ہیں اور دیوبندی اسی چیزکواستمداد کہتے ہیں۔

ایک مثال: مولانا شبیراحمد عثانی نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ‏﴿۴﴾ [الفاتحہ:۴]

یعنی: ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اورصرف تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔

وہ اس آیت کے مفہوم کی تحریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’حقیقت میں تو غیر اللہ سے مدد مانگنا جائزنہیں ہے لیکن اگرکسی مقبول بندے کواللہ کی رحمت کے لیے واسطہ بنایا جائے اوراس اعتقاد کے ساتھ اس سے مدد مانگی جائے کہ وہ مدد کرنے میں مستقل نہیں ہےتو ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ یہ استعانت اس ولی سے نہیں بلکہ حقیقت میں اللہ سے استعانت ہے۔‘‘

غورکریں توحید کی وضاحت میں اس صریح اور محکم آیت کے مدلول ومفہوم کی تحریف

کے لئے حضرت نے کتنا گھمایا پھرایا اور پھر خود اپنی طرف سے حرام کردہ استغاثہ کو اِن ڈائرکٹ شکل میں استمداد کا نام دے کر حلال کر دیا،! ذرا غور کریں اِن ڈائیریکٹ کرنے میں کتنے ڈائیورٹ کئے گئے ہیں، لیکن نتیجہ آخر میں وہیں نکلا:

من تراحاجی بگویم تو مرا حاجی بگو
تا کس نہ گوید بعد ازیں تو دیگرم من دیگری

اہل دیوبند بھی وہ ہی کہتے ہیں جو بریلوی حضرات کہتے ہیں؟
اسی لئے دعوت توحید وسنت کے خلاف دونوں ایک ہی محاذ پر شاعر کا یہ نغمہ گنگناتے نظر آتے ہیں:

کون کہتا ہے ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

استمداد کہیں یا استغاثہ ایک موحد کو دونوں تعبیرات میں مکمل طور پر مماثلت نظر آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا مددگار بنانے والوں کی اپنی شرک آمیز عبادت کی تاویل بھی عثمانی صاحب کی مذکورہ تاویل سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ أَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۚ [الزمر: ۳]

یعنی خالص عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، اور جن لوگوں نے اس کے علاوہ دوسروں کو مددگار بنا رکھا ہے (ان سے اگر پوچھا جائے تم لوگ ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں) ''ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں تا کہ یہ (بزرگ) لوگ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں۔''

یعنی ہمیں اصل میں اللہ کی قربت چاہئے، اور ہم ان کے وسیلے سے اللہ کی قربت چاہتے ہیں کیوں کہ یہ اللہ کے مقرب بندے ہیں۔
مذکورہ دونوں مکاتب فکر میں کئی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے صراحت سے لکھا ہے کہ اولیاء اور صالحین کی روحیں کائنات میں تصرّف پر قادر ہیں، فتاویٰ امدادیہ میں مذکور ہے کہ

مشائخ کی ارواح سے استمداد ایک ثابت شدہ امر ہے۔ یہ وہابیوں نے کہاں سے آکر شرک اور بدعت کا فتنہ کھڑا کیا ہے ورنہ یہ چیز تو تسلیم شدہ تھی!

جی آپ نے سچ فرمایا:

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

وہابی تو پہلے سے ہی کہہ رہے تھے کہ یہ تو آپ دونوں کے یہاں تسلیم شدہ مسئلہ ہے، مگر دیوبندی حضرات صرف الفاظ کی ہیرا پھیری کر رہے ہیں۔ شیخ محمد ابن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے جب کتاب التوحید لکھ کر اس میں شرک اور توحید کے مسائل کو چھیڑا، تو علماء دیوبندیہ کو بھی علمائے بریلویہ کی طرح اس کتاب کے مسائل راس نہیں آئے، اس لئے آج تک کتاب التوحید کا سیکھنا سکھانا ان کے تمام دینی اداروں میں ممنوع ہے اور انھوں نے اس کتاب کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ علماء دیوبند اپنے آپ کو بریلویت کے عقیدے سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے اندر شرک و بدعات ہیں، لیکن بہت ساری چیزوں میں بریلویوں سے مختلف نہیں ہیں۔

چنانچہ بریلوی مکتب فکر کے مشہور عالم ارشد القادری نے زلزلہ نام کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے علمائے دیوبند کی کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ ''جس عقیدے اور جن اعمال کی بنیاد پر علماء دیوبند ہم پر فتویٰ دے رہے ہیں کہ تم مشرک اور بدعتی ہو، وہ سارے اعمال خود علماء دیوبند کرتے ہیں اور وہ ساری چیزیں خود ان کے اکابرین کرتے رہے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ منہج ایمان وعقیدہ میں یکسانیت کا لازمی نتیجہ اعمال میں یکسانیت ہے۔

چنانچہ منہجی طور پر دونوں مکاتب فکر؛

۱۔ مسلک حنفی کی تعصب آمیز تقلید کے قائل و فاعل ہیں۔

۲۔ اور دونوں تصوف وطریقت میں ایک دوسرے کے ہم نوا ہیں۔

۳۔ اور ایمان وعقائد کے باب میں دونوں ماتریدی یا اشعری ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ اور دیگر علماء کرام نے لکھا ہے تقلید ایک ایسی بدعت ہے جس کی کوکھ سے تمام گمراہیاں جنم لیتی ہیں۔ چنانچہ یہی تقلید علماء اور مشائخ کے خلاف نقد وجرح کرنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ اسی تعصب آمیز تقلید کی بنیاد پر بہت سے مقلدین نے اپنے ائمہ کی تائید میں جھوٹی حدیثیں گڑھ لیں، اور کتاب سنت کے خلاف انتہائی غلط قسم کے اصول بھی وضع کر لئے چنانچہ ایک متعصب مقلد لکھتے ہیں:

> ''اگر کوئی آیت یا حدیث ہمارے ائمہ کرام کے اجتہادات کے خلاف آئے گی تو وہ یا تو منسوخ ہوگی یا پھر اس کی کوئی تاویل ہوگی۔'' یعنی ان کی طرف غلطی کی نسبت نہیں کرسکتے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کی فکر امت کے اندر اختلاف وانتشار کا سبب ہونے کے ساتھ کتاب وسنت اور منہجِ صحابہ پر عمل کرنے میں رکاوٹ بھی ہے۔ واللہ المستعان۔

دیوبندیوں کا قبروں سے قلبی لگاؤ اور قبروں پر مراقبے کرنا

اس قوم میں بھی بریلیوں کی طرح قبروں سے قلبی لگاؤ ہے، چنانچہ ان کے اکابر علماء کی سیرت وسوانح پر جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان میں ملتا ہے کہ یہ لوگ قبروں سے اتنی عقیدت رکھتے تھے کہ مشکل مسائل کو سمجھنے کے لئے قبروں پہ مراقبہ کرتے تھے، تاکہ ان مسائل کے حل ہو جائیں۔ یہ سب نتیجہ تھا غلو آمیز عقیدت اور محبت کا جو صوفیاء اور قبر پرستوں کا خاص امتیاز ہے اور یہی غلو آمیز محبت گذشتہ امتوں کی گمراہی کا سب سے بڑا سبب تھا قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ [نوح:۲۳]

یعنی قوم نوح، ودّ وسواع نسر، یغوث، یعوق کا تذکرہ کیا ہے تو اس کی تفسیر میں عبداللہ

ابن عباس سے نقل کیا گیا کہ یہ سب اپنے قوم کے اولیاء تھے۔ جب یہ مر گئے تو لوگ عقیدت میں ان کی قبروں پہ جا کر بیٹھنے لگے اور مراقبہ کرنے لگے اور پھر ان ہی سے مانگنے لگے۔ تو یہی صورتحال گمراہی کی ہمیشہ رہی ہے اور آج بھی ہے۔ اسی طرح سے اس قوم کے اندر اور نقص اور عیب ہے کہ ان کے یہاں حدیث کی تحقیق نہیں کی جاتی۔ صحیح ہے ضعیف ہے موضوع ہے کیسی بھی ہے، حدیث ہے بس اس پر عمل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ خصوصاً فضائل وغیرہ میں۔ یہ بہت خطرناک ہے کیونکہ فضائل یہ امور آخرت سے اور عقائد سے touch ہوتے ہیں۔ مثلاً رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور احترام پر جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان کتابوں میں موضوع احادیث پاؤ گے۔ ''نبی اگر آپ نہیں ہوتے تو ہم کائنات کو پیدا نہیں کرتے۔'' اور ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو پیدا کیا وہ میرا نور ہے۔'' وغیرہ۔ یہ سب صحیح احادیث کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس چیز کو پیدا کیا ہے وہ قلم ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

دیوبندیت تین عناصر سے مل کر وجود میں آئی ہے۔

۱۔ ماتریدیت

۲۔ تصوّف

۳۔ تعصب پر مبنی مذہبی تقلید

ان تینوں کے اثرات سے ان کی دینی زندگی کا مزاج کچھ اس طرح سے ہوگیا ہے کہ:

۱۔ اب ان میں منہجِ سلف سے نفرت پیدا ہوگئی ہے۔

۲۔ اہل توحید وسنت سے بغض وحسد اور عناد ان کا امتیاز بن گیا ہے۔

۳۔ قبول حق سے نفرت اس قدر مستحکم ہوگئی کہ حق کو قبول کرنے کا جذبہ ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ (الا من رحم ربک)۔

یہی وجہ ہے کہ مذہب سلف ان کی نظر میں کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور اہل توحید و سنت ان کے نزدیک قابلِ قدر نہیں ہیں بلکہ یہ ان کی نظر میں گستاخ ہیں۔ اہلِ توحید کی لکھی ہوئی کتابیں نصاب تعلیم میں شامل نہیں کرتے اور نہ ہی اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بلکہ منہج سلف پہ لکھی گئی کتابوں میں طعن وتشنیع ان کا خاص مشغلہ ہے۔ آپ ان کے عناد کو جاننے کے لئے ان

کی دو کتابیں پڑھیں آپ کو سمجھ میں آئیگا۔

۱-المھند علی المفند ۔تصنیف مولوی خلیل احمد سہارنپوری۔

۲-الشھاب الثاقب۔تصنیف مولوی حسین احمد مدنی۔

ان کتابوں میں اہل توحید پر جو زہر اگلا گیا ہے اور اہل توحید سے جس طرح عناد کا اظہار کیا گیا ہے انھیں پڑھ کر سمجھ میں آجائے گا کہ ان کو اہل توحید وسنت سے کس قدر عناد ہے۔

اور آج اس دور حاضر میں بھی ان دونوں گروہ کے علماء تقریر وتحریر کے ذریعہ اہل توحید وسنت کے خلاف جو نفرت پھیلا رہے ہیں وہ سبھی جانتے ہیں۔ان کی کتابوں میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیم اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب جیسے مجدد دین امت کی شان میں مذموم قسم کی گستاخیاں نظر آتی ہیں۔اور زاہد کوثری جیسے لوگوں کی خوب مدح سرائی کی جاتی ہے جس کو اہل سنت والجماعت سے بلا کا بغض وعناد تھا اور جس نے صحابی جلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی ہدف تنقید وتنقیص بناڈالا تھا۔

اگر کسی قوم کا یہ مزاج بن جائے تو وہ قوم علمی امانت کی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکتی ہے، اور نہ ہی امت کے اندر اتحاد واتفاق کا رول ادا کر سکتی ہے۔اور نہ امت کے اندر حق بات کی نشر واشاعت کی جرأت کر سکتی ہے۔اندھی تقلید کا سب سے برا نتیجہ کتمانِ علم ہے، یعنی تقلید کے تحفظ کی خاطر کہیں پر قرآن وسنت کے حقیقی علم کو چھپایا جاتا ہے، اور کہیں تاویل کا دروازہ کھولا جاتا ہے تاکہ مذہب کے علماء کی باتوں کو ہر حال میں صحیح قرار دیا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعصب پر مبنی مذہبی تقلید سے فرقہ بندی کے حصار کو مزید تقویت ملتی ہے، مگر ان کا اعتقاد ہے کہ تقلید کے بغیر دین پر قائم رہنا ممکن نہیں ہے اس لئے ضروری ہے کہ انسان چار مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کا مقلّد بن کے رہے، ان کی نظر میں تقلید سے باہر جانا شبہ ارتداد ہے۔

سوال یہ ہے کہ تقلید سے پہلے امت کس حصار میں تھی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو آپ ہی سب کے امام اور پیشوا تھے۔لیکن آپ کے بعد بہت سارے اہل علم عالمِ اسلام میں تھے۔شام میں الگ علماء ہیں، مصر میں الگ علماء ہیں، یمن میں الگ ہیں، بغداد میں الگ ہیں،

اسی طرح حجاز میں الگ اہل علم ہیں۔ کیا اس زمانے میں امت تقلید کے حصار میں تھی؟ اگر نہیں تھی تو آپ اس وقت کی امت مسلمہ کو کیا کہیں گے؟ حق پر تھی یا نہیں تھی؟

نبی ﷺ نے فرمایا

" خَيْرُ النَّاس قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُم " (بخاری و مسلم)۔

سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں، پھر اس کے بعد آنے والے اور پھر اس کے بعد آنے والے۔

تین صدیاں اس امت کی خیر القرون کہی جاتی ہیں۔ ان تین صدیوں میں کوئی مذہبی تقلید نہیں تھی۔ اہل علم کی اتباع کی جاتی تھی۔ جو جہاں تھا اپنے علاقے کے اور اپنے آس پاس کے اہل علم کا پتہ کر کے ان سے سوال کرتا اور انہیں سے استفادہ کرتا اور یہی طریقہ تھا خیر القرون میں اور اسی طریقے پر آج ہم بھی دعوت دیتے ہیں۔

لیکن کیا کہا جائے، جو چیز حق تھی وہ ناحق بن گئی اور جو ناحق تھی وہ حق بن گئی۔ یہ تقلید کی کرشمہ سازی ہے جس کی دعوت دی جارہی ہے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۱۰۔ جماعت اسلامی

اس جماعت کا قیام متحدہ ہند میں سن ۱۹۴۱ء میں عمل میں آیا۔ دیکھا جائے تو جماعت اسلامی ایک سیاسی جماعت ہے۔ مگر چونکہ اس جماعت نے اپنی سیاسی تحریک کو اسلام سے جوڑا ہے اور اقامتِ دین کا نام لیا ہے اس لئے اس کا تذکرہ دینی جماعت کی حیثیت سے کرنا ضروری ہے تا کہ اس کے افکار ونظریات اور اس کے عقیدے ومنہج کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔ اور اس جماعت کے جو اثرات مجموعی طور پر امت مسلمہ پر مرتب ہوئے ہیں ان سے امت کو آگاہ کیا جائے۔

اس تحریک کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی غفراللہ لہ ہیں، بنیادی طور پر یہ جماعت مولانا کے دینی اور سیاسی افکار ونظریات کی پابند ہے۔ اس لیے ہم سب سے پہلے مولانا کے حالات زندگی کے بارے میں تفصیل سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ مولانا کی پیدائش ۱۹۰۶ء میں ہندوستان کے شہر اورنگ آباد میں ہوئی اور وفات ۱۹۷۹ء میں امریکہ کے شہر نیویارک میں ہوئی۔

خاندانی اعتبار سے آپ کا تعلق ایک حنفی گھرانے سے تھا جو ایمان وعقیدہ میں ماتریدی اور مسلک میں حنفی تھا اور طریقت میں سلسلۂ چشتی سے نسبت رکھتا تھا۔ مولانا کسی مدر سے سے فارغ التحصیل عالم دین نہیں تھے، لیکن انگریزی زبان کے ساتھ کتاب وسنت کی عربی زبان کا بھی علم تھا، اور آپ ایک اچھے صحافی اور فلسفیانہ فکر کے حامل تھے۔ آپ کو تحریر اور تقریر میں بلا کی مہارت تھی۔ آپ نے بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں کچھ کتابیں بہت مقبول ہوئیں۔

مگر آپ کی کچھ تصنیفات نے آپ کی شخصیت کو قابل اعتراض بنا دیا۔

ان کے بعض افکار ونظریات نے نئی نسل کی غلط ذہن سازی اور منہج سلف سے دور کرنے میں بہت ہی خطرناک رول ادا کیا ہے۔ مولانا کے بعض غلط نظریات میں سے چند کا ذکر ہم یہاں کریں گے جن پر جماعت اسلامی آج بھی گامزن ہے، جیسے

۱۔ عقلانیت۔ یعنی عقل کو نقل پر ترجیح دینا۔

۲۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی غیر منہجی تنقید، خصوصاً بنوامیہ سے متعلق گمراہ کن نظریات۔

۳۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شکوک وشبہات۔

۴۔ شیعہ دوستی۔

۵۔ منہج سلف اور طریقۂ محدثین کے مقابلے میں اہل الرائے اور متکلمین کے منہج کی برتری ثابت کرنا۔

یہ وہ چند عناصر ہیں جن کی وجہ سے جماعت اسلامی منہج سلف سے دور ہوتی چلی گئی جس کی وجہ سے اس کا شمار بھی فرقوں میں کیا جانا قرین قیاس ہے۔

۱۔فلسفے اور عقلانیت پر جماعت اسلامی کی بنیاد:

مولانا مودودی نے جب جماعت اسلامی کی تشکیل کی اور لوگوں کو یہ بتایا کہ ہماری اس جماعت کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے اور بڑے خوبصورت نعرے دیے جیسے حکومت الٰہیہ کا قیام، اقامت دین، اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کا نفاذ وغیرہ، مولانا کے اس دلکش نعرے سے بہت سے لوگ ان کے ہم نوا ہو گئے جن کا منہج خالص قرآن وسنت تھا۔لیکن جب دیکھا کہ مولانا نے کتاب وسنت کا نام لے کر لوگوں کو دھوکا دیا ہے تو بہت سے لوگ ان سے الگ ہوتے چلے گئے۔

مولانا مودودی چونکہ عقل پرست تھے اور فلسفیانہ ذہن رکھتے تھے لہٰذا انھوں نے فلسفے اور منطق کی بنیاد پر دین کی تعبیر اپنی مزاج سے کرتے رہے۔اور چونکہ انھیں فنِ تحریر اور تقریر پر بڑا کمال حاصل تھا اس لئے ان کی تحریر وتقریر نے تعلیم یافتہ نوجوان نسل کو بہت متاثر کیا خصوصاً جو عصری تعلیم میں تو مہارت رکھتے تھے مگر ان کی گرفت کتاب وسنت پر کم تھی اور دین کا فہم بہت ہی سطحی تھا۔

آپ کی عقلانیت کی چند مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں۔مولانا نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے: ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' اس میں انھوں نے بڑی جسارت یہ کی کہ قرآن کی چار اصطلاحات کے معنی ومفہوم کو اپنے سیاسی مقصد حاصل کرنے کے لیے بدل دیا جیسے۔۔

۱۔الٰہ کا معنی اقتدار سے کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ معنی کے اعتبار سے یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

۲۔رب کا مطلب مرکزِ اقتدار کا مالک یا مملکت کا رئیس۔

۳۔دین کا مطلب اقتدار، حاکمیت، اسٹیٹ۔

اس سے اور آگے بڑھ کر اپنے رسالہ دینیات میں فرماتے ہیں، یہ نماز یہ روزے حج و زکاۃ، ذکر وتسبیح یہ ساری عبادات جو مسلمانوں کو سکھائی گئیں ہیں یہ سب ٹریننگ کورسیز کی

حیثیت رکھتی ہیں جو انسان کو ایک بڑی عبادت کے لئے تیار کرنے کے مقصد سے فرض کی گئیں ہیں اور وہ بڑی عبادت ہے حکومت الٰہیہ کو قائم کرنا۔ یعنی ان کی نظر میں یہ عبادات مقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ یہ اسلامی اسٹیٹ کے قیام کے وسیلے ہیں۔ واللہ المستعان۔

اسی طرح اپنے رسالہ کوثر میں فرماتے ہیں: "ایک مدت سے لوگوں میں یہ غلط فہمی چلی آرہی ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں اور انہیں چیز کا نام اسلام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے جس سے مسلمانوں کا طرز عمل پوری طرح بگڑ گیا ہے۔"

جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جس نے کہا تھا کہ "میں اللہ کی توحید کو مانوں گا، آپ کی رسالت کو مانوں گا نماز ادا کروں گا، روزے رکھوں گا، زکاۃ دوں گا، حج کروں گا اور اس میں کچھ بھی نہ کمی کروں گا اور نہ ہی زیادتی کروں گا۔ تو اللہ کے رسول نے فرمایا اگر یہ اپنے دعوے میں سچا ہے تو دیکھو یہ جنتی جا رہا ہے۔" (صحیح مسلم......)

مولانا مودودی کی کتاب تفہیم القرآن جو واقعتاً مولانا کے افکار ونظریات کی تفہیم ہے، قرآن کے حقائق کی تفسیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس کتاب کو مولانا نے فہم صحابہ اور آثار سلف سے آزاد ہو کر خود اپنی سوچ وفکر کی بنیاد پر لکھا ہے۔ چونکہ مولانا عقیدے میں اشعری اور ماتریدی تھے لہٰذا انہوں نے اسی منہج کے مطابق صفات باری تعالیٰ میں تاویل سے کام لیا ہے، جیسے

سورۃ البقرۃ آیت ۲۹ رمیں جہاں سات آسمانوں کا ذکر ہے مولانا وہاں آسمان کے وجود ہی کا انکار کرتے ہیں اور خود ہی اپنی عقل سے اس کا معنی تجویز کرتے ہیں۔

سورۃ اعراف آیت ۵۴ رمیں استوٰی علی العرش کی تاویل کرتے ہیں۔

سورۃ ھود آیت ۷ رمیں اللہ کے عرش کا پانی پہ ہونے کی تاویل کرتے ہیں۔

سورۃ صٓ آیت ۷۵ رمیں اللہ کے اس فرمان کی تاویل کرتے ہیں جس میں اللہ فرماتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔

سورۃ الملک آیت ۱۶ رمیں اللہ کے آسمان پر ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

اسی طرح سے سورۃ الحاقۃ آیت ۱۷ رمیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے عرش کو آٹھ فرشتوں کے اٹھانے کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق صحابہ کا اور سلف کا منہج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قرآن وحدیث میں جیسے بیان کی گئیں ہیں ویسے ہی اس پر ایمان لایا جائے بنا تاویل کئے، بنا تشبیہ دئے، اور بنا کیفیت بیان کئے۔

اسی طرح سورۃ البقرۃ آیت ۲۴۶ رمیں ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کردے۔ مولانا نے بادشاہت کے اس مطالبے کو جاہلانہ ثابت کرنے میں اپنی ساری قوت تحریر صرف کردی ہے، کیونکہ یہ چیز مولانا کے تصور نظام خلافت کے خلاف ہے۔ حالانکہ بادشاہت ایسی کوئی بری چیز نہیں ہے جس کے مطالبے کو جاہلانہ کہا جائے۔ اگر بادشاہ اللہ کی شریعت کو نافذ کرے تو ایسی بادشاہت مستحسن ہے ایسی خلافت سے جس میں خلیفہ شریعت کا نفاذ نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو، سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت عطا کی تھی۔ مگر مولانا کے ذہن میں چونکہ حکومت کا اور جمہوریت کا بھوت سوار تھا اس وجہ سے انہوں نے اللہ کی اس عظیم الشان نعمت کو بھی غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور اس کے نتیجے میں آج بھی جماعت اسلامی بادشاہت کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کررہی ہے۔

اس طرح کی بہت ساری گمراہ کن باتیں ہیں جنہیں مولانا نے تفہیم القرآن میں نقل کیں ہیں جو منہج سلف سے دوری کا نتیجہ ہے جن کا یہاں پر احاطہ ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا عام آدمی کو مولانا کی تفہیم کا مطالعہ کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔

۲۔ حدیث سے متعلق جماعت اسلامی کے افکار ونظریات

حدیث سے متعلق مولانا مودودی کے نظریات جمہور علمائے سنت اور منہج اہل حدیث سے عموماً خلاف ہیں۔ آپ نے حدیث کی اسناد سے متعلق لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرکے نئی نسل کو منہج کتاب وسنت سے دور کرنے میں بڑا رول ادا کیا ہے۔ آپ نے حدیث کو کبھی ظنی قرار دیا تو کبھی صرف انہیں حدیث کو لینے کی حمایت کی جو اپنی عقل میں آتی ہو اور باقی حدیثوں کا انکار کیا۔ کتب حدیث میں بخاری شریف تک میں شبہات ظاہر کئے جس کی

ثقاہت پر ساری امت کا اجماع ہے۔

ایک مقام پر حدیث سے متعلق آپ شکوک کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کوئی شریف آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو حدیث کا مجموعہ ہم تک پہنچا ہے وہ قطعی طور پر صحیح ہے، جیسے بخاری شریف، جس کو قرآن کے بعد مستند کتاب کا درجہ دیا جاتا ہے، کوئی بڑے سے بڑا غلو کرنے والا بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں جو چھ سات ہزار حدیثیں ہیں وہ ساری کی ساری صحیح ہیں۔''

سبحان اللہ۔

بخاری شریف سے متعلق یہ مولانا کا خطرناک اور بے لگام تبصرہ ہے جو منکرینِ حدیث اور دیگر گمراہ فرقوں کے اقوال سے مختلف نہیں ہے۔

رسالہ ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں:

''احادیث جو چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچی ہیں اس سے علم یقین حاصل نہیں ہوسکتا۔''

مولانا عقل پرستی میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ آپ نے مسیح دجال کا بھی انکار کیا۔ رسالہ ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں:

''کانا دجال تو افسانہ ہے جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔''

حالانکہ مسیح دجال سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ مانگی اور مسلمانوں کو ہر نماز کے تشہد میں پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ اللہ معاف کرے۔ اس حقیقت کا انکار نصوص شریعت کی بے ادبی اور شریعت کے خلاف ہرزہ سرائی کی بہت بڑی جسارت ہے۔

مولانا مودودی نے حدیث اور اصول حدیث پر جو حملے کئے اس کا جواب تو علماء حق نے دیا مگر ان کے اس فتنے سے مسلمانوں کی بڑی تعداد بچ نہ سکی اور گمراہی کے دلدل میں پھنستی چلی گئی۔ اب ان کے سامنے احادیث کی کوئی بڑی اہمیت نہیں۔ حدیث کی اہمیت کو کم کر کے مولانا نے منکرین حدیث کے لئے انکار حدیث کا دروازہ کھول دیا اور مستشرقین کے آلۂ کار بھی بن گئے۔

مولانا مودودی کی دینی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- یہ دعوت ایمان وعقیدہ کے اعتبار سے کتاب وسنت پر مبنی خالص عقیدۂ توحید و رسالت کے خلاف تھی۔

- آپ نے قرآن کے بہت سے معانی اور مفاہیم کو اپنی عقلی دلیلوں سے بدل دیا اور اپنی مرضی سے اس کی تشریح کی۔

- اور حدیث کے تعلق سے علمائے حدیث کی مخلصانہ جدوجہد اور ان کی بے مثال قربانیوں کی ناقدری کر کے ذخیرہ حدیث کو مشکوک اور غیر معتبر بنانے کی اہل الرائے کی طرح مذموم کوششیں کی ہیں، اسی لئے با بصیرت علمائے حدیث شروع سے ان کے تمام گمراہ کن نظریات کی تردید کرتے رہے ہیں۔

۳۔مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی شیعہ دوستی:

مولانا نے اپنے سیاسی اغراض و مقاصد حاصل کرنے کے لیے جائز وناجائز ہر طرح کی مصلحتوں کا سہارا لیا، اسی کے پیشِ نظر ایران و پاکستان کے شیعوں کی تائید حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرام پر جارحانہ تنقید کرتے ہوئے ''خلافت وملوکیت'' نام کی ایک کتاب لکھی جس کی وجہ سے علمائے اہل سنت و جماعت کی شدید تنقید کا نشانہ بنے، اس کتاب نے مولانا کی شیعہ دوستی کو مکمل طور پر نمایاں کر دیا۔ اسی لئے اس کی تردید میں تقریباً ہر مکتبہ فکر کے علماء نے کچھ نہ کچھ لکھا۔ ان میں حافظ صلاح الدین یوسف (حفظہ اللہ) کی کتاب ''خلافت وملوکیت کی تاریخی وشرعی حیثیت'' ایک علمی شاہکار ہے، جو موضوع کے اعتبار سے بہت جامع ہے اور اپنے علمی اور تحقیقی مواد کی وجہ سے بہت مقبول ہوئی اس کتاب میں مصنف نے صحابہ پر مولانا کے لگائے گئے غلط الزامات کا مدلّل جواب دیا۔ اس کے برخلاف مولانا مودودی کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کو شیعوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایران میں اس کتاب کو بہت ہی سراہا گیا اور فارسی میں اس کا ترجمہ کر کے اسے عام کیا گیا۔ اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد شیعوں نے مولانا کو عاشوراء کے موقع پر خصوصی مجالس میں مدعو کیا۔

اور شیعہ دوستی میں انقلابِ ایران کی کامیابی پر مولانا نے آیت اللہ خمینی کو مبارک بادی کا پیغام بھیجا اور لکھا ''اس عظیم الشان کامیابی پر جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے، ہم تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔'' حالانکہ خمینی وہ شخص ہے جس نے کہا تھا: ''دنیا کی اسلامی اور غیر اسلامی طاقتوں میں ہماری قوت اس وقت تک تسلیم نہیں ہو سکتی جب تک مکہ اور مدینہ پر ہمارا قبضہ نہیں ہوتا اور میں جب مکہ اور مدینہ میں فاتح بن کر داخل ہوں گا تو سب سے پہلے میرا کام یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے میں پڑے ہوئے دو بتوں (یعنی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو نکال باہر کردوں گا۔'' (ماخذ خمینی ازم اور اسلام)۔

جماعت اسلامی سے سوال ہے کیا صدیق اور فاروق کے ساتھ ایسا سلوک کرنے والا اسلامی انقلاب کا علمبردار ہو سکتا ہے؟ اور کیا مولانا مودودی اور جماعت اسلامی ساری دنیا پر شیعیت اور رافضیت کا غلبہ قائم کر کے اسلام اور ناموسِ صحابہ کو پامال کرنا چاہتے ہیں؟ جماعت اسلامی کے جتنے بھی لیڈر گزرے ہیں ہر ایک نے شیعوں کے انقلاب کو اسلامی انقلاب کا نام دیا ہے چاہے وہ میاں طفیل ہوں، قاضی حسین احمد ہوں یا اسد گیلانی سے لے کر پروفیسر عبدالغفور ہوں۔

شیعوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے مولانا مودودی نے بڑی کھینچا تانی کر کے متعہ کو بھی صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی اور اس کے لئے اجتہاد اور فکر کا پورا سرمایہ میدانِ تحقیق میں جھونک دیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی متعہ کو جنگ خیبر کے موقع پر قیامت تک کے لئے حرام قرار دیا تھا۔ لیکن مولانا لکھتے ہیں: ''فرض کریں اگر ایک جہاز سمندر میں ٹوٹ جاتا ہے اور ایک مرد اور عورت کسی تختے پہ بہتے ہوئے ایک ایسے سنسان جزیرے پہ جا پہنچتے ہیں جہاں کوئی آبادی ہی نہ ہو۔ وہ ایک ساتھ رہنے پر مجبور ہیں اور شرعی شرائط کے مطابق ان کے درمیان نکاح بھی ممکن نہیں۔ ایسی حالت میں ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ دونوں آپس میں ایجاب وقبول کر کے اس وقت تک کے لئے عارضی نکاح کر لیں جب تک کہ وہ آبادی تک نہ پہنچ جائیں۔'' (ترجمان القرآن)۔

مولانا کو متعہ کا جواز ثابت کرنے کے لئے کتنے دور کا چکر کاٹنا پڑا جس کے لئے ایک

ایسی فرضی مثال گھڑی جس طرح کا واقعہ ۱۴۰۰ رسال میں بھی کبھی پیش نہیں آیا۔ البتہ شیعوں نے آپ کی جم کر تعریف کی اور کہا ''مولانا ہماری ہی زبان بولتے ہیں۔'' جماعت اسلامی کے لوگ برابر اس کوشش میں رہتے ہیں کہ انھیں ہر طبقۂ فکر کی حمایت حاصل ہوتی رہے حتیٰ کے شیعوں کی تائید بھی اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ برابر ایرانی انقلاب اور خمینی کی قیادت کی تعریف کرتے ہیں۔ خمینی نوازوں کے ساتھ جلسے اور میٹنگ کرتے رہتے ہیں اور ان کے لٹریچر اور کتابوں کی تقسیم کا انتظام کرتے ہیں۔ سعودی حکومت جس کی بنیاد خالص توحید پر ہے اس کے مقابلے میں ایرانی انقلاب اور خمینی قیادت کی تعریف کرتے رہتے ہیں اور ایرانی انقلاب کو حقیقی اسلامی انقلاب تصور کرتے ہیں جس کی بنیاد خالص اسلام دشمنی، کفر، فسق و فجور اور عالمی دہشت گردی پر قائم ہے۔ اور ویسے بھی مولانا مودودی یا جماعت اسلامی کے کسی بھی فرد نے شیعی عقائد کے رد میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ مولانا کے وہ گمراہ کن نظریات جن کا ہم نے شروع میں ذکر کیا تھا جیسے عقلانیت، اصحاب رسول سے متعلق گمراہ کن نظریات، حدیث رسول میں شکوک وشبہات اور عقل کی بنیاد پر ان میں تاویلات، شیعہ دوستی، یہ وہ عناصر ہیں جن کی وجہ سے جماعت اسلامی منہج سلف سے دور ہوتی چلی گئی اور ان کا شمار فرقوں میں کیا جانا ایک ایسی حقیقت ہے جو سابقہ علمی دلائل پر مبنی ہے، اس لئے کسی اہل حدیث کے لئے جماعت اسلامی سے منسلک ہونا منہج حق سے بہت بڑی غفلت ہے۔

۱۱۔ تدوین حدیث اور انکار حدیث کا فتنہ:۔

دین اسلام کے بنیادی طور پر دو مصادر ہیں:

۱۔ قرآن کریم

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ

قرآن کریم شرف ومنزلت کے اعتبار سے سنت مطہرہ سے اعلیٰ ہے، مگر حجیت میں قرآن وسنت دونوں ہم رتبہ ہیں۔ قرآن کریم شریعت کے دستور کا متن ہے اور سنت مطہرہ اس کی شرح وبیان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ۝ [النحل: ۴۴]

یعنی: اور اے نبی ہم نے تمھاری طرف ذکر (یعنی قرآن) نازل کیا ہے، تا کہ تم لوگوں کے لئے وہ چیز بیان کر دو جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے اور تا کہ وہ لوگ اس میں غور وفکر کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بھی احکامات نازل کرنے ہیں اُن کا واسطہ رسول ہی ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر اکثر احکام کو اجمالی طور پر نازل کیا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے ان کی زبانی اور جہاں ضرورت ہوئی وہاں عملی بھی اس کی وضاحت کی۔

ہدایت کے حصول کے لئے جتنی اہمیت قرآن کریم کی ہے اتنی ہی نبی کریم ﷺ کی حدیثوں کی بھی ہے، دونوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم کے احکامات پر کس طرح عمل کیا جائے اسے بھی اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے نبی ﷺ کو بتایا جنھیں آپ نے عملی طور پر کر کے دکھایا۔

پھر آپ کا اسوہ اختیار کرنے والے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جن پر شریعت کے سارے احکامات کو عملاً نافذ کیا گیا جو ان کے بعد آنے والی نسلوں کے لئے عملی نمونہ اور شریعت کے احکام کو جاننے کا مستند ذریعہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو اس مشن کے لئے منتخب کیا تھا جنہوں نے قرآن کے ساتھ احادیثِ رسول کو بھی محفوظ کر لیا اور پھر اپنے پیچھے آنے والے لوگوں کو یہ امانت سونپ دی پھر اللہ کے فضل وکرم سے علمائے حدیث نے اپنی مخلصانہ کوششوں سے نبوت کے اس قیمتی میراث کو کتابی شکل میں مدوّن کر دیا، چنانچہ صحاح وسنن اور مسانید کے نام سے احادیث کے جو مجموعے پائے جاتے ہیں ان میں سے اکثر وبیشتر تیسری صدی ہجری کے اختتام سے قبل معرض وجود میں آچکے تھے۔

تدوینِ حدیث کا موضوع بہت طویل ہے، یہاں صرف اس کے متعلق اشارہ مقصود ہے کتب ستہ کے مجموعوں اور ان کے مصنفین کی مندرجہ ذیل فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے

محدثین کی علمی خدمات کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

۱۔امام مالک رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ)اوران کی کتاب: موطا

۲۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ)اوران کی کتاب: مسند

۳۔امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) اوران کی کتاب: الجامع الصحیح

۴۔امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۱ھ)اوران کی کتاب: صحیح مسلم

۵۔امام ابوداود رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۵ھ)اوران کی کتاب: کتاب السنن

۶۔امام نسائی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۳ھ)اوران کی کتاب: کتاب السنن

۷۔امام ابوعیسی الترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۹ھ)اوران کی کتاب: کتاب السنن

۸۔امام ابن ماجہ القزوینی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۳ھ) اوران کی کتاب: کتاب السنن

حدیث کے ان ائمہ کرام کے علاوہ اور بھی دیگر ائمہ حدیث ہیں جن کی حدیث کی تدوین میں بہت عظیم خدمات ہیں ان سب کا تذکرہ ایک الگ موضوع ہے، لیکن مذکورہ ائمہ کرام کی کتابیں احکام شریعت کے بنیادی مصادر کی حیثیت رکھتی ہیں، اور مقصد منکرین حدیث کے فتنوں کا ذکر کرنا ہے۔

انکار حدیث کا فتنہ بہت قدیم فتنہ ہے، اور مسلسل جاری ہے، اس کی پیشین گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی چنانچہ ایک حدیث میں آپ کا ارشاد ہے:

" لاَ أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الأَمْرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لاَ نَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ ".

(رواه ابوداود والترمذي)

وزاد ابن ماجه: أَلا وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ مِثْلُ مَا حَرَّمَ اللهُ.

یعنی میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہیں پانا چاہتا کہ وہ اپنے مسند سے ٹیک لگائے

ہو، پھراس کے پاس میری طرف سے کسی کام کے کرنے، یا نا کرنے سے متعلق میرا کوئی حکم آئے تو وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے ہیں ہم نے جو اللہ کی کتاب میں پایا اسی کی پیروی کی۔

ابن ماجہ کی روایت کے مطابق مزید یہ بھی آپ نے فرمایا: خبردار یہ بھی یاد رکھنا! کہ بے شک جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے وہ بھی ویسے ہی حرام ہے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے۔

بعض روایتوں میں ''یوشک ۔۔۔'' یعنی عن قریب کی تعبیر سے اس فتنے کے جلدی وجود میں آنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے،۔۔۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایک طرف علماء حدیث کی جماعت نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کے ساتھ آثار صحابہ وتابعین کو موضوعات کے اعتبار سے مختلف عناوین وابواب کے تحت مدوّن کر کے درس وتدریس کی علمی مجالس سجا رہے تھے، تا کہ دین کو قرآن واحادیث اور آثار کی روشنی میں اسی طریقہ سے سمجھا جائے، اور اسی طریقہ سے اس پر عمل بھی کیا جائے جو دین کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔

مگر دوسری طرف فقہاء اہل الرائے اور متکلمین کا گروہ دین کے مختلف ابواب میں خبر واحد کی حجیت کا انکار کر کے فتنہ انکار حدیث کی راہ ہموار کر رہا تھا، مثلاً ان کا کہنا ہے کہ خبر واحد ایمان وعقائد کے باب میں حجت نہیں ہے، اور فقہاء اہل الرائے کا موقف ہے کہ خبر واحد حدود وکفارات کے باب میں حجت نہیں ہے، اسی عموم قرآن کو خبر واحد سے خاص نہیں کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت مسائل ہیں جن میں جزوی طور پر خبر واحد سے استدلال کے منکر ہیں۔

جبکہ علماء حدیث نے اس طرح کی احادیث کو ایمان وعقائد کے باب میں ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے احادیث اگر صحت وثبوت کے معیار پر ہوں تو وہ بنا تفریق شریعت کے تمام ابواب میں حجت ہیں خواہ متواتر ہوں یا احاد۔

اس طرح رفتہ رفتہ عقل پرستی کی بنیاد پر انکار حدیث کی گمراہی مختلف مکاتب فکر کے اصول ومناہج میں شامل ہو کر علمی وتعلیمی رنگ اختیار کر گئی، اور پھر یہی گمراہی خاص پہچان بن کر

تفرق میں مبتلا کر کے فرقوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔

متاخرین میں سر سیّد احمد خان، عبداللہ چکڑالوی، احمد دین امرتسری، اسلم جیراجپوری اس فتنے کے علمبردار بنے اور پھر غلام احمد پرویز نے اسے منظّم مکتب فکر کی بنیاد دی۔ رفتہ رفتہ بے ضمیر اور عقل پرست علماء نے بھی عقل کی بنیاد پر دین کی تشریح کرنا شروع کی اس طرح پھر اپنے مقاصد حاصل کرنے کا طریقۂ رائج ہو گیا۔ لیکن دین کو عقل کی بنیاد پر تشریح کرنے میں جن کا اصل مقصد اپنی خواہشات کی تکمیل اور مخالف دینی امور کو اسلامی رنگ میں رنگنا ہو ان سب کے لئے بڑی رکاوٹ احادیث ہیں۔ لہٰذا حدیث میں شکوک پیدا کر کے مسلمانوں کو اس سے دور کرنے کی بڑی سازش شروع ہو گئی۔ مستشرقین میں ولیم میور اور گولڈ زیہر نے حدیث کو مشکوک بنانے کا بیڑا اٹھایا۔

اور اسلام کی طرف منسوب فرقوں کی دینی حیثیت کو پہچاننے کا یہی علمی معیار ہے کہ اگر کسی قوم یا فرقہ و جماعت کے افکار و نظریات کتاب سنت اور منہج سلف کے خلاف ہونے کے ساتھ اصولی اور منہجی حیثیت اختیار کر کے اس قوم کی پہچان بن جائے تو وہ گمراہی کا شکار ہو کر مذموم فرقہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور فرقۂ ناجیہ کے دائرہ سے نکل جاتی ہے، ورنہ صرف غلطی سے۔ خواہ کتنی بڑی کیوں نہ ہو غلطی کرنے والے کو گمراہ یا صاحب فرقہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

ایمان و عقیدہ سے لے کر عبادات و سلوک کے میدان میں پیدا کی جانے والی گمراہیوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ صحیح احادیث ہیں، لہٰذا حدیث میں شکوک پیدا کر کے مسلمانوں کو اس سے دور کرنے کی شروع سے بڑی سازشیں ہوئی ہیں۔

لیکن علماء حق ہر دور میں حدیث سے دفاع کرتے رہے اور قرآن کی طرح شریعت کے تمام ابواب میں حدیث کی حجیت ثابت کرتے رہے۔ ابتدائی دور میں جن علماء حق نے اس میدان میں مخلصانہ جد و جہد کی ہے ان میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی کارنامہ بہت اہمیت کا حامل ہے، آپ نے انکار حدیث میں مبتلا تمام فرقہ ضالّہ کی طرف خصوصی توجہ دی اور اپنی کتاب الرسالۃ میں قرآن کریم سے احادیث نبویۃ کو دینی احکام کا مستند مصدر اور نا قابل انکار حجت ہونا ثابت کیا۔

اس کے علاوہ احادیث و آثار پر مشتمل صحاح اور سنن کی کتابوں میں کتاب وسنت کی حجیت واہمیت پر عموماً اور بعض کتابوں میں اخبار احاد کی حجیت پر خصوصاً ناقابل انکار دلائل بیان کئے گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں انکار حدیث کے فتنے سے پہلے ہی آگاہ کیا ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے بھی اس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ اور دو باتیں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی ہیں۔

۱۔ احادیث بھی دین میں حجت ہیں۔

۲۔ آنے والے زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو حدیث کا انکار کریں گے۔

سنن ابوداؤد کی حدیث ہے، حضرت مقداد بن معدیکرب فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مثل ایک اور چیز (یعنی احادیث) بھی۔ سنو! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے گاؤ تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے یہ کہے گا کہ تمہارے لئے قرآن کافی ہے (حدیث کی ضرورت نہیں)۔ جو قرآن میں تم حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو قرآن میں تم حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔''

مذکورہ حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث کا منکر قرآن کا منکر ہے

قرآن کے ساتھ حدیث بھی محفوظ ہے:

قرآن کریم کی حفاظت کا تقاضا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی سنّت کو بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے اپنے خاص بندوں کو مقرر کیا۔ جنھوں نے قرآن کو جمع کیا اور اسے کتاب کی شکل میں محفوظ کیا۔ اسی طرح احادیث کو بھی رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا، انھیں یاد کیا، انھیں محفوظ کیا اور دوسروں تک پہنچایا۔

یہ عمل صحابہ کے دور سے جاری رہا۔ پھر تابعین کا دور آتے آتے کچھ لوگوں نے حدیث میں اپنی طرف سے باتیں گھڑنا شروع کیں۔ اہل حق نے جب ان کے اس فتنے کو جان لیا تو پھر حدیث کو قبول کرنے کے لئے ایک معیار مقرر کیا جس میں حدیث کے ہر راوی کے سچے

ہونے کی کڑی شرائط مقرر کی گئیں۔اس کے لئے ہر ایک راوی کی سوانح لکھ کر محفوظ کی گئی تا کہ قیامت تک آنے والے مسلمان اس سے استفادہ کریں اور انھیں معیار پر حدیث کو جانچ سکیں اور اس کا کھرا اور کھوٹا ہونا واضح ہو جائے۔ان اصولوں پر ساری امت متفق ہو گئی۔محدثین اور فقہاءامت نے انھیں اصولوں پر بڑی امانتداری کے ساتھ اس علم کو ہم تک پہنچایا۔

اب اس کے بعد بھی کوئی حدیث میں شک کرے یا لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کر کے حدیث سے دور کرے تو اس نے مؤمنین کے راستے کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سخت وعید نازل کی ہے۔سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۱۱۵﴾ [النساء:۱۱۵]

جوشخص راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خلاف ورزی کرے اور تمام مؤمنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھیر کے جائے گا اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے، جو کہ بہت ہی بری جگہ ہے۔معاذ اللہ۔

جن لوگوں نے احادیث کا انکار کیا یا حدیث کے بارے میں شکوک پیدا کئے وہ یا تو علم حدیث سے ناواقف ہیں یا بد نیتی کا شکار ہیں۔اگر ان منکرین حدیث کی حالاتِ زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ یا تو ان کی تعلیم مغرب میں ہوئی ہے یا وہ مغربی تہذیب سے مرعوب ہیں۔

اور یقیناً جس نے بھی حدیث کا انکار کیا، آخر میں جا کر اس نے قرآن کی آیات کا بھی انکار کیا یا اپنی عقل سے اس میں تاویلات کیں۔اور پھر وہ عقل کی بنیاد پر کبھی حق کو نہیں پا سکا۔

فتنہ انکار حدیث اور جاوید احمد غامدی

انکار حدیث کے باب میں فتنہ جاوید احمد غامدی کا ذکر بہت اہم ہے جو موجودہ دور کا

ایک بڑا فتنہ ہے جس نے نئی نسل کو حدیث سے دور کرنے میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ اس نے عقل کی بنیاد پر مستند اور متفق علیہ احادیث کا بھی انکار کیا ہے۔ بلکہ عقل پرستی میں اس نے قرآن کی واضح آیات کا بھی انکار کیا ہے۔ جیسے معراج کا واقعہ، عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا وغیرہ جن کی اصل قرآن کریم میں موجود ہیں اور اس کے صحیح اور مستند ہونے میں ساری امت کا اجماع ہے۔

جاوید احمد غامدی اپنے آپ کو منکر حدیث تو نہیں کہتا اور نہ اپنے آپ کو غلام احمد پرویز کی جماعت سے نسبت کا اعتراف کرتا ہے، جس نے حدیث کا مکمل انکار کیا اور اپنی جماعت کا نام اہل قرآن رکھا، اس کے باوجود جاوید احمد غامدی کا منکر حدیث ہونا اس کی باتوں سے واضح ہے، کیونکہ:

۱۔ حدیث کو تاریخی ذخیرہ کہہ کر اس نے حدیث کی اہمیت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ حدیث بھی قرآن ہی کی طرح وحی الٰہی ہے اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری اللہ عزوجل نے خود لی ہے۔

۲۔ صحیح حدیث کی موجودگی میں اپنی عقل سے قرآن کی غلط تفسیر کرتا ہے، جس کے نتیجے میں جو گمراہیاں اس نے پھیلائی ہیں وہ بڑی خطرناک ہیں۔ ان کی چند مثالیں دیکھ لیں۔

الف۔ سود کو صرف لینا حرام کہتا ہے اور دینے کو جائز قرار دیتا ہے۔ جبکہ سود کے لینے اور دینے والے دونوں پر اور اسی طرح اس کے لکھنے اور گواہ بننے والے پر اللہ کی لعنت کی گئی ہے۔

ب۔ مرنے والا اگر اپنے مال سے اپنے وارثوں کے لئے وصیت کر جائے، اسے جائز قرار دیتا ہے، جبکہ کسی بھی وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے جن کا حصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مقرر کیا ہے۔

ت۔ موسیقی کو جائز قرار دیتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔۔

بہر حال اس کے گمراہی پر مبنی باتوں کی فہرست بڑی طویل ہے جن کا احاطہ یہاں پر ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح مولانا مودودی کے متعلق بھی ہم نے جماعت اسلامی کے باب میں ان کی عقل پرستی اور حدیث کے متعلق ان کے گمراہ کن خیالات کا تذکرہ کیا تھا۔ مولانا کو مکمل طور پر اگر چہ منکرین حدیث کی صف میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مگر انھوں نے بھی بہت ساری صحیح حدیثوں کا انکار صرف اس بنا پر کیا ہے کہ وہ ان کی عقل میں نہیں آسکیں۔ اسی طرح حدیث کے ثقہ راویوں پر اپنی عقل سے شکوک کا اظہار کر کے اور فن حدیث کو روایت پرستی کہہ کر دین فہمی میں ایک نئی راہ نکالی ہے جو مسلمانوں کے لئے غیر معمولی نقصان کا سبب ہے۔

تو یہ تھا مختصر سا تعارف منکرین حدیث سے متعلق۔ اسی کے ساتھ اس باب کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ جس طرح قرآن کی ایک آیت کا انکار کفر ہے اسی طرح کسی ایک صحیح حدیث کا انکار بھی کفر ہے۔

حصّہ سوم

نئے دور کا فتنہ

ا۔لبرل ازم اور علمانیت:

اس دور میں دینی زندگی کا ایک نیا منہج یعنی طریقہ کار ایجاد کیا جا چکا ہے، وہ ہے لبرل ازم (liberalism)۔ یعنی انسان دینی معاملات میں آزاد ہے اور دینی معاملات میں جو طریقہ اپنانا چاہے اور جس طریقے پر زندگی گزارنا چاہے اس میں اسے آزادی ملنی چاہیے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں دینا چاہیے جیسے یورپ وغیرہ میں یہ رائج ہے۔ یعنی دین کو مسجد تک محدود کر دو اور مسجد میں بھی جس طرح عبادت کرنا چاہے کر لے۔ آپ کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ دینی چیزیں انسان کی شخصی پسند ہیں۔ جیسے آدمی کیا کھاتا ہے، کیا پیتا ہے، کیا پہنتا ہے، کیا اوڑھتا ہے، آپ اس میں دخل نہیں دے سکتے۔ تو اسی طرح آدمی کا نظریہ کیا ہو، کس عقیدے پہ رہے، کس طرح عبادت کرے، یہ اس کو اختیار ہونا چاہیے اور یہی روح یورپ کے علاوہ دوسرے ممالک میں پھیلائی جا رہی ہے۔ یہی لبرل ازم ہے اور اس کو علمانیت کہتے

ہیں۔یعنی عالمی تصور پیدا کرو۔تنگ دائرے میں نہ رہو۔دنیا اس وقت Globalisation کی طرف جا رہی ہے۔کوئی چیز ہم تک ہی محدود نہیں ہے۔یعنی اپنے ساتھ دوسروں کو بھی سوچو کہ اس روئے زمین پر اور لوگ بھی بس رہے ہیں۔آپ کیا سوچتے ہو، وہ بھی کچھ سوچتا ہوگا، تو آپ دوسروں کو اپنی سوچ کا پابند نہیں بناؤ۔آپ اگر پردہ کرتے ہو یا آپ کی بیوی پردہ کرتی ہے تو ہوسکتا ہے کوئی عورت ایسی ہو جو پردہ نہ پسند کرتی ہو۔آپ کی بیوی اگر کل سے حجاب چھوڑ کر کے سڑک پر سے جائے تو آپ نہیں کہہ سکتے کہ حجاب کرو۔حتیٰ کہ بیٹی بھی ۱۸ ؍سال سے اوپر ہوگئی تو آپ اسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔جہاں چاہے چلی جائے، جہاں چاہے رات گزار دے، جو چاہے کرے۔

تو عالمی سطح پر، آج باقاعدہ اسی فکر کو رواج دیا جا رہا ہے جو کہ صراحتاً الحاد اور ایک لادینی نظام ہے امت مسلمہ میں بھی ایک بڑی تعداد اس فکر کی حامل ہو چکی ہے جو بہت خطرناک ہے۔

اور یہ اسلام کے اصول اور مبادی کے سراسر خلاف ہے۔اسلام نے انسان کو آزادی تو دی ہے لیکن اتنی خود مختاری نہیں دی ہے کہ جو چاہے اختیار کرلے اور اختیارات کر لینے کے بعد اس پر کوئی وعید نہ ہو یا کوئی سزا نہ ہو، ایسا نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ [آل عمران:۱۹]

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے

اور دوسری جگہ فرمایا:

وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۸۵﴾ [آل عمران:۸۵]

یعنی جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔

اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی انسان، چاہے وہ یہودی ہو، یا نصرانی ہو، یا اور کوئی ہو، جس کو میری نبوت اور رسالت کا پیغام پہنچ گیا پھر مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ جہنم

میں جائے گا۔

یہ ہے اسلام کا بنیادی عقیدہ واصول اس کے مقابلے میں لبرلازم کی جو سوچ اور فکر ہے وہ اسلامی اصولوں کے خلاف ہے

اسلام میں برائی کرنے کی آزادی نہیں ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں برائیوں سے روکنے پر خیرِ امت کہا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب برائیوں کو دیکھو تو اپنے ہاتھ سے روکو، اگر ہاتھ سے نہ روک سکو تو زبان سے روکو اور اگر زبان سے نہ روک سکو تو دل میں برا سمجھو اور یہ ایمان کا سب کمزور ترین درجہ ہے۔ (صحیح مسلم)

اور آپ نے مزید فرمایا،

أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّ اس رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ (صحيح البخاری)

”آگاہ ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس امام (امیر المؤمنین) لوگوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور کسی شخص کا غلام اپنے سردار کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائیگا۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ زیر نگرانی جو لوگ ہیں آپ کو ان کی نگرانی کرنی ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ آزاد ہے، یہ ہمارے حکم کا یا شریعت کا پابند نہیں ہے۔

لبرل ازم کا فتنہ بہت خطرناک فتنہ ہے اس سے بھی امت کے اندر انتشار و تفرق کی

صورتحال پیدا ہو رہی ہے، اس کی وجہ سے خواہشات نفسانی کو رواج مل رہا ہے اس کے ہوتے ہوئے پاکیزگی پر مشتمل ایک ذمہ دار معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا ہے، اس لئے بحیثیت امت مسلمہ کے ہمیں اپنی نسلوں کے ذہنوں کو اس نظریہ سے پاک وصاف رکھنے کی فکر کرنی چاہئے، اس کے لئے تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

۲۔الکٹرانک میڈیا اور ماڈرن مقررین:

دعوت الی اللہ انبیاء علیہم السلام کا عظیم منصب ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے بندوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کیا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے بعد اس عظیم منصب کے حقیقی وارث علماء کرام ہیں جن کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"العلماء ورثة الانبياء" (ترمذی)

یعنی: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

موجودہ دور میں دعوت کے میدان میں بہت سے ایسے لوگ بھی لسانی زور آزمائی کر رہے ہیں، جن میں سے بعض کو عربی زبان بالکل نہیں آتی ہے حتیٰ کہ قرآن کو واجبی صحت کے ساتھ پڑھنے کی ان کے اندر صلاحیت بھی نھیں ہے اور باقاعدہ مستند ومعتبر علمائے فن سے علم شریعت کے حصول سے بھی محروم ہیں، مگر صرف ترجمہ شدہ دینی کتابوں کے ذاتی مطالعہ کی بنیاد پر وقت کا علامہ بننے کا شوق موجزن نظر آتا ہے۔

مصیبت تو یہ ہے کہ ان میں سے بعض مقررین ایمان وعقیدہ کے خالص علمی مسائل میں فتوی دینے کی جرات بھی کرنے لگتے ہیں، پھر عجیب وغریب قسم کے گل کھلاتے نظر آتے ہیں!!۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے خطاب کرتے ہوئے اس فتنے کی پیشین گوئی کی تھی، فرمایا:

''آج تم ایک ایسے زمانے میں ہو جس میں علماء زیادہ اور خطباء کم ہیں، اور بعد میں ایک زمانہ آئے گا جس میں علماء کم اور خطباء زیادہ ہونگے۔'' (الادب المفرد۔للامام البخاری)

گویا رسول ﷺ نے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ فتنوں کا زمانہ آئے گا جس میں اس قسم کے اسپیکروں کی بہتات ہوں گی۔ لوگ عالم سے زیادہ اسپیکر بننے کی کوشش کریںگے۔ آج ہم میں سے ہر کوئی رسول اللہ ﷺ کی اس پیشن گوئی کو حقیقت کی شکل میں دیکھ سکتا ہے۔

افسوس یہ ہے کہ عوام الناس ان کی زبان کی روانی اور ان کی اسٹائل سے بہت متاثر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا دینی مزاج بگڑتا جا رہا ہے اور وہ اس قسم کے مقررین کو سننے کے عادی ہو جاتے ہیں، پھر ان کے نزدیک حقیقی علماء کی کوئی اہمیت نہیں رہتی، بلکہ ان کو ہی علماء سمجھ بیٹھتے ہیں اور نوجوان ان نام نہاد داعیانِ اسلام کی شہرت اور ناموری کو دیکھ کر ان کے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں، انھیں سے فتویٰ پوچھتے ہیں اور ان کو اپنا امام مان کر ان کی تقلید کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے اتباع و پیروکاروں کی تعداد بڑھ کر ایک مستقل فکر و نظر کی پابند گروہ کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔

آج جو لوگ دین کا مکمل علم حاصل کئے بغیر اس میدان میں کود پڑے ہیں، ان میں سے اکثر امت مسلمہ کے لئے فتنے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔

لہٰذا جن کو بھی دعوتی میدان میں کام کا شوق ہو انھیں علماء کی رہنمائی میں رہ کر ہی دعوت کے کام کو انجام دینا چاہیے اور بغیر علمی مہارت کے فتویٰ بازی سے گریز کرنا چاہئے۔ اس سے صرف عوام الناس کی ہی سلامتی نہیں ہے بلکہ ان کی اپنی بھی سلامتی ہے۔

حصّہ چہارم

حصول علم صرف علماء حق کے واسطے سے ہونا چاہئے:

علماء حق سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان و عقیدے میں سلف کے عقیدے اور منہج پر ہوں۔

ابن سیرین اور دیگر سلف صالحین فرماتے ہیں۔۔۔

"إنَّ هذا العِلمَ دِينٌ، فانظُروا عمَّن تأخُذون دينَكم"۔

یہ علم (یعنی علم حدیث) دین ہے، لہذا غور کرلو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کررہے ہو۔

یعنی یہ ہمارے لئے نصیحت ہے کہ علم دین ہمیں صرف معتبر علماء سے اور معتبر کتابوں سے ہی حاصل کرنا چاہئے۔

اب سوال یہ ہے کہ سلف کن کو کہتے ہیں؟

تو جواب یہ ہے کہ اصل میں ہمارے سلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔جن پر قرآن کا عملاً نفاذ ہوا۔ان کی اتباع میں ہدایت یابی ہے، جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ [البقرۃ: ۱۳۷]

یعنی: اگر لوگ تم جیسا ایمان لائیں گے تو ہدایت پائیں گے، اور اگر منہ موڑیں گے تو وہ صریح اختلاف میں ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان سے عنقریب آپ کی کفایت کرے گا اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔

یہاں تم سے مراد صحابہ کرام ہیں۔

پھر ان کی بھلے طریقے سے اتباع کرنے والے بھی سلف کہے جاتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہے، جیسا کہ فرمایا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ [التوبہ: ۱۰۰]

ترجمہ: اور اسلام کی طرف سب سے پہلے سبقت کرنے والے لوگ، یعنی مہاجرین و انصار اور جن لوگوں نے ان کی بھلے طریقے سے اتباع کی ان سب لوگوں سے اللہ راضی ہوا اور یہ لوگ اللہ سے راضی ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں

جن کے نیچے دریا بہتے ہیں، ان جنتوں میں وہ لوگ ہمیشہ کے لئے رہنے والے ہوں گے، یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

فرقہ بندی سے نجات اور امت مسلمہ کے اندر اتحاد کا دینی طریقہ

گذشتہ صفحات میں ہم نے جا بجا اتحاد امت کے اسباب وعوامل پر روشنی ڈالی ہے خلاصہ درج کلمات میں ملاحظہ فرمائیں:

کتاب وسنت سے ثابت شدہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ:

-امت مسلمہ کی وحدت کا راز- کتاب وسنت کی شکل میں- اللہ تعالیٰ کی شریعت کومل کر مضبوطی سے پکڑے رہنے میں ہے۔

اور فرقت واختلاف کا بنیادی سبب شریعت سے دوری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا [آل عمران: ۱۰۳]

یعنی (اے ایمان والو) تم لوگ اللہ کی رسی کو ایک ساتھ مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں فرقہ بندی مت کرو، اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا پھر تم لوگ اس کی نعمت سے ایک دوسرے کے بھائی ہو گئے-----

-اس آیت میں اللہ کی رسی سے مراد کتاب سنت پر مشتمل اس کی شریعت ہے

-اور جمیعاً یعنی ایک ساتھ مل کر۔

- ولا تفرقوا سے جمیعاً کی تاکید مقصود ہے۔

۔اور زمانہ جاہلیت کی دشمنی کو یاد دلانے کا یہ مقصد ہے کہ اسلام سے جس قدر دوری ہو گی اسی قدر جاہلیت کی راہ سے قربت ہوگی پھر نتیجہ میں فرقہ بندی اور دشمنی پیدا ہوگی۔

۔اور واقعہ یہی ہے جو جس قدر اپنے ایمان و عمل میں شاہراہ شریعت سے دور ہے وہ اسی قدر جاہلیت سے قریب اور کتاب وسنت کی شاہراہ پر چلنے والوں کی عداوت میں آگے ہے۔

وحدت انسانیت کا سہ نکاتی پروگرام:

اللہ تعالیٰ نے دنیائے انسانیت کی دو بڑی قوموں یہود و نصاریٰ کے سامنے کلمۂ سواء کے نام سے وحدت انسانیت کا تین نکاتی ایسا پروگرام پیش کیا ہے جس میں امت مسلمہ کے ساتھ ساری دنیا کی وحدت کی ضمانت دی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ [آل عمران: ۶۴]

یعنی: اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے اے اہل کتاب تم لوگ ایک ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر، یعنی متفق علیہ ہے:

- وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں،
- اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں،
- اور ہم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو اللہ کے علاوہ رب نہ بنائیں

اس دعوت کے بعد پھر وہ لوگ بے رخی اختیار کریں تو (اے ایمان والو) تم ان سے کہہ دو کہ تم لوگ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم اللہ کے حکم کے فرماں بردار ہیں۔

یعنی ہم ہی حقیقی مسلمان ہیں۔

اس پروگرام کا پہلا بند ہے کہ آؤ ہم سب صرف اللہ کی عبادت پر متفق ہو جائیں،

کیونکہ یہی ہم سب کی زندگی کا مقصد ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ [الذاریات:٥٦]

یعنی اللہ تعالیٰ کہتا ہے: اور ہم نے جن وانسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے

اور یہی تمام انبیاء کی نبوت ودعوت کا مشترکہ پیغام ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ [الانبیاء:٢٥]

یعنی: اور ہم نے (اے نبی) آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے سب کی طرف یہی پیغام بھیجا کہ میرے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے لہذا تم لوگ میری ہی عبادت کرو۔

- اور اس پروگرام کے دوسرے بند میں کہا گیا کہ آؤ ہم سب مل کر عہد کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھرائیں گے،

- اور حقیقت میں یہ دوسرا عہد پہلے بند میں کئے گئے عہد کی حفاظت کے لئے کرایا گیا ہے ، کیونکہ اگر کوئی بندہ توحید الوھیت یا توحید عبادت کے ساتھ شرک میں بھی ملوث ہو گیا تو عقیدہٗ توحید کی بربادی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں کئے گئے سارے اعمال بھی برباد ہو جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٥﴾ [الزمر:٦٥]

یعنی: اور یقینا آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف بھی وحی کر کے بتادیا گیا ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل برباد ہو جائیں گے، اور پھر ضرور گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

اور تیسرے بند میں شخصیت پرستی سے دور رہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیونکہ یہ مرض حقیقت میں مخلوق کی تعظیم اور محبت میں غلو کرنے سے پیدا ہوتا ہے، اور پھر اس غلو کی کوکھ سے تقلید، تعصب، تصوف، خانقاہیت اور پیر پرستی جیسی بدعتیں جنم لیتی ہیں۔ اسی لئے قرآن و

حدیث میں کسی بھی مخلوق کی تعظیم اور محبت میں غلو یعنی مبالغہ آرائی سے سختی سے منع کیا گیا ہے خواہ وہ انبیاء کی ذات کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ [النساء:١٧١]

یعنی: اے اہل کتاب تم لوگ دین میں مبالغہ آرائی نہ کرو اللہ کے اوپر صرف حق بات کہو، مسیح عیسی ابن مریم تو اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ تھے (یعنی جن کو مریم کے ذریعہ کن کا کلمہ کہہ کر بنا باپ کے پیدا کیا تھا (اور اس کی طرف سے پیدا کی گئی روح تھے) لہٰذا تم لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور یہ مت کہو کہ تین الہ ہیں، اس طرح کی باتیں کہنے سے باز آ جاؤ تمھارے لیئے بہتر ہوگا۔ اللہ تو اکیلا ہی معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اس کا ہے مددگار کے طور پر تو اللہ ہی کافی ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاس إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ.(رواه ابن ماجة)

یعنی اے لوگو تم لوگ دین میں غلو کرنے سے دور رہو، کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے تھے ان کو دین میں غلو نے ہلاک کر دیا۔

امت مسلمہ کی ابتدائی تین صدیوں کا اگر جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس دور کے عام مسلمانوں کی دینی زندگی قرآن میں مذکور سہ نکاتی پروگرام کا مصداق تھی، چنانچہ:۔ توحید ان کی امتیازی شان تھی، اور شرک سے ان کو نفرت تھی، اور شخصیت پرستی کا شائبہ تک ان کی زندگی میں نہیں تھا۔

اسی لئے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حج سے متعلق ایک مسئلہ میں اپنے والد محترم کے اجتہاد کے خلاف حدیث کے حوالے سے فتوی دیا تو کسی نے ان کے فتویٰ کے خلاف خود ان کے والد محترم کے قول کا حوالہ دیا تو برجستہ فرمایا: اقول ابی یتبع ام قول رسول اللہ ؟!
یعنی کیا میرے باپ کی بات کی اتباع کی جائے گی یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی۔

آج بھی امت کے اتحاد کا راز منہج سلف کی روشنی میں کتاب وسنت کی اتباع میں ہے۔
اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کی وحدت کا درد رکھنے والوں کو اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بمصطفی برساں خویش را کہ دیں از ہمہ اوست اگر باو نرسیدی تمام تر بولہبی ست۔

اللہ ہم سب کو توفیق دے قرآن سمجھنے کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنے کی، صحابہ کے مذہب کو سمجھنے کی اور اختلاف کی حقیقت کو جاننے کی، اختلاف کے فتنے سے نکلنے کی اور جب تک اس دنیا میں رکھے ایمان اور عمل کی سلامتی کے ساتھ ثابت قدم رکھے۔ اور دنیا سے جائیں تو ہمارا ایمان سلامت ہو ہمارا عمل بھی سلامت ہو۔ ہمارا آخری کلمہ ہو لا الہ الا اللہ

دوڑ ماضی کی طرف اے گردش ایام تو
آ دکھا دے زندگی کے پھر وہ صبح وشام تو

ہماری اہم مطبوعات

A1 Grafix Studio : +91-9819189965
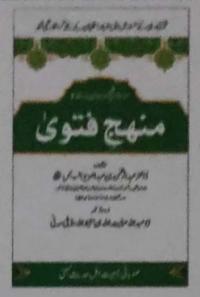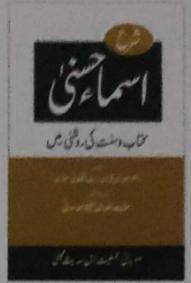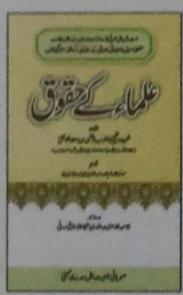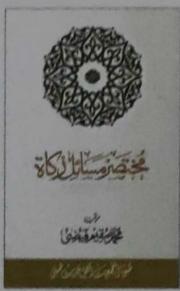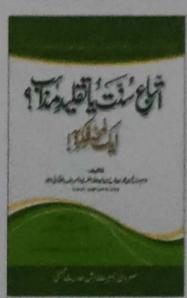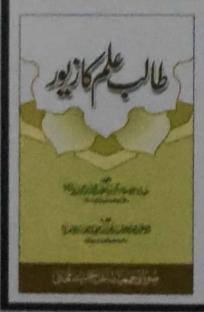
SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 400 070

• Phone : 022-26520077 ahlehadeesmumbai@gmail.com 9892555244

@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.org